۷۸۶ 36
DATA ENTERED

زمینداری کا شرعی نظام

از

مولٰنا سیّد امین الحق۔ فاضلِ دیوبند

خطیبِ جامع شیخوپورہ

ماہِ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ماہِ فروری ۱۹۵۴ء

(مکتبۂ محمد عطاء اللہ جوہرِ کانی)

بارِ اول تعداد ۵۰۰

محمد شمس الدین تاجر الکتب

Marfat.com

Marfat.com

DATA ENTERED

زمینداری کا شرعی نظام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اما بعد ہمارے اس عریض و وسیع رقبہ ملک میں جب سے مسلمان آیا ہے۔ تو اس کو غیر مسلموں کی کثیر التعداد مراسم اور غیر اسلامی شعور اور نفسیات سے پالا پڑا ہے۔ اور اس لمبے چوڑے ملک میں ایسے مسلمان بہت تھوڑے رہے ہیں جن کی انفرادی کوششوں میں انکی زندگی خالص اسلامی زندگی اور غیروں کے تاثرات سے محفوظ رہی ہے۔ خود مسلمان حکمرانوں میں بھی ایسے عجیب الباطن بادشاہ گذرے ہیں جنہوں نے غیر اسلامی ذہنیت کو مسلمانوں میں راسخ کرنا شبانہ و روز کا مشغلہ رکھا تھا۔ عہد اکبری کے واقعات سے اس کا پورا ثبوت ہوتا ہے۔ اور آج زمینداری کی مروجہ شکل غیر اسلامی رسم و رواج کی بقیہ مثال ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ نظام عالم میں زمینداری کا مسئلہ نہایت اہم اور ضروری مقام رکھتا ہے لیکن ہمارے ملک میں جس نقطہ نگاہ سے زمینداری قائم کر دی گئی ہے اس سے ملک اور قوم کو کوئی خاص متوقع فائدہ نہیں پہنچا اور نہ کوئی امید ہے۔ بلکہ اس سے ملک کا ایک بڑا طبقہ زمینداروں کے رحم و کرم پر نہایت پستی اور احتیاج کی زندگی پر مجبور کیا گیا ہے۔ اور زمینداروں میں کبر و رعونت

Marfat.com

تعیش بیکاری اخلاقی بدحالیوں کے سوا اس نے دوسرا کوئی احساس نہیں پیدا کیا موجودہ دور میں بعض ارباب قلم نے ان قبائح کی اصلاح کی طرف کچھ توجہ کی ہے جو رائج الوقت زمینداری کی شکل سے پیدا ہوتی ہیں۔ مگر ان میں بعض ایسے خود غرض اور ثروت پسند عناصر بھی ہیں جن پر حد درجہ شک اور شبہ ہوتا ہے۔ اور اسلام کے اصول اور ضوابط کی پابندی کو اپنے لئے وہ عملی دنیا میں پسند نہیں کرتے اور اس میں شک نہیں کہ بعض ایسے فضلاء نے بھی اس مسئلہ پر بحث کی ہے جن سے مسلمانوں کو عقیدت ہے اور دیانت کی دنیا میں ان کی شہرت مسلم ہے۔ مگر ان کی فاضلانہ تحریروں میں مسئلہ کا ایک پہلو روشن کر دیا گیا ہے اور دوسرے پہلو پر کچھ روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ اسلئے اس تحریر میں میں نے یہ چاہا ہے کہ جو پہلو چھوڑ دیا گیا ہے اس کو اپنی بساط کے مطابق اختصار کے ساتھ زمینداری کے مسئلہ پر غور کرنے والوں کے سامنے عرض کر دوں تاکہ پوری جامعیت کے ساتھ اور مفصل سوچ بچار کی روشنی میں شرعی رائے قائم کی جا سکے۔

اور زمینداری کے مسئلہ پر بحث کرنے والے حضرات نے مزارعت کی مشروعیت کیلئے دو باتوں کا خاص طور سے ذکر کیا ہے۔

(۱) خیبر کا معاملہ جو خود حضور کا معاملہ ہے مشروعیت مزارعت کی دلیل سمجھی گئی ہے۔

(۲) اور بعض توجہات سے جو ابن عباس اور حنظلہ بن قیس کی روایت میں مذکور ہے مشروعیت مزارعت کا خیال کیا جاتا ہے اسلئے مناسب سمجھتا ہوں کہ کتاب اور سنت کے بعد صحابہ کے آثار اور خیبر کے معاملہ کی حقیقت اور کا مسالک بالتفصیل عرض کر دیا جائے۔

Marfat.com

دولت وثروت کا نظریہ

قرآن شریف کسی کی دولت اور سرمایہ داری کو ہمیشہ قائم رکھنے کی اس قدر خواہش نہیں رکھتا ہے جسقدر غریبوں اور محتاجوں کی رفعت اعانت اور ان کو غنی بنانے کا ہم سے مطالبہ کرتا ہے قرآن شریف یہ نہیں چاہتا ہے کہ سرمایہ داروں اور محتاجوں کے دو الگ الگ طبقے قائم رہیں۔ قرآن شریف سرمایہ داروں کیلئے غریبوں پر کچھ حقوق قائم نہیں رکھتا بلکہ دولتمندوں کی دولت میں محتاجوں کے معین اور غیر معین حقوق کو ثابت کرتا ہے اور سرمایہ داروں کے الٹ پھیر میں مال و دولت کو ان کیلئے مخصوص جاگیر بنانا قرآن شریف ہرگز پسند نہیں کرتا قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم ترجمہ (تاکہ نہ آئے لینے میں دولتمندوں کے تم میں سے) اللہ تعالیٰ تقسیم کے مال کے مصارف اسلئے تم کو بتلاتا ہے۔ کہ دولت و ثروت کسی کا سرمایہ بن کر نہ رہے اور سرمایہ دار اپنی دولت کو محض شہوات اور من مانی خواہشات میں خرچ نہ کریں بلکہ ان کی دولت اسلئے ہے کہ ان کی معاشی ضروریات کے علاوہ محتاجوں اور عام مسلمانوں کی خبر گیری اس میں ہوتی رہے اور ملت کی اجتماعی ضروریات اس سے انجام پائیں۔ سورۃ قصص میں ارشاد ہوتا ہے (اور جو تجھکو اللہ نے دیا ہے اس سے کمالے پچھلا گھر اور نہ بھول اپنا حصہ دنیا سے اور بھلائی کر جیسے اللہ نے بھلائی کی تجھ سے) اللہ کے دیئے ہوئے مال کو آخرت کا توشہ بنادے۔ دولت کے نشہ میں چور ہو کر غرور اور تکبر کی چال مت چل۔ اور تیرے مال میں تیرا حصہ ضرور ہے۔ اور وہ اتنا ہے جس سے

Marfat.com

تیرا معاش قائم ہوتا ہے۔ کھانے اور پینے وغیرہ کی لازمی ضرورت کے مطابق تو اپنا حصہ لے سکتا ہے اور اس سے زیادہ تیرے تصرف میں ضرور ہے مگر تیرے حق سے باہر ہے۔ اسکو مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کرنا اس سے آخرت کا سرمایہ بنانا ہر سرمایہ دار کا فرض ہے۔ اللہ نے دولت دے کر تجھ پر احسان کیا ہے اسی طرح تیرا فرض ہے کہ دوسروں کیساتھ احسان کرے اور مناسب موقع پر اپنی دولت کو دوسروں میں تقسیم کر دے

قرآن شریف میں ملکیّت زمین کی بُنیادی اصل

اس میں شک نہیں کہ زمین قدرت کا عطیہ ہے۔ اللہ جسکو چاہتا ہے اس کو زمین پر ملک و تصرف کا حق دیتا ہے۔ اِنَّ الْاَرْضَ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ترجمہ۔ (بیشک زمین ہے اللہ کی اس کا وارث کر دے جسکو وہ چاہے) زمین کا مالک اللہ ہی ہے جسکو وہ مناسب جانے اسکو زمین عطا فرمائے۔ تمام بنی نوع انسان کے لئے زمین میں اللہ تعالیٰ نے بکثرت ایسی چیزیں مخلوق فرمائی ہیں جن سے ہر ایک انسان فائدہ اُٹھاتا ہے اور اس کو ہر قسم کے استعمال میں لاتا ہے استدلال و اعتبار کے لحاظ سے بھی نفع اُٹھاتا ہے اور اپنی معاشی زندگی میں بھی اسکو استعمال کرتا ہے۔ سورۃ اعراف۔ سورۃ نازعات۔ سورۃ البقر میں یہ آیات مذکور ہیں۔ کل زمین اور کل ما فی الارض کل بنی نوع انسان کے انتفاع کیلئے ضرور ہے۔ مگر کوئی انسان اس سے براہِ راست نفع اُٹھاتا ہے اور کسی کو بالواسطہ اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اور بعض زمین کا بعض افراد کے براہِ راست انتفاع کیلئے مخصوص ہونا تمام بنی نوع انسان کے انتفاع

Marfat.com

کے منافی نہیں ہے، اسلئے کہ قرآن و حدیث میں بعض افراد کیلئے بعض زمین کو انتفاع کیلئے مخصوص کر دینا اگر اس اختصاص کا موجب موجود ہے جسکو ہم ملک کہتے ہیں مذکور ہے۔ کتاب اور سنت نے بعض حالات میں بعض زمین کو بعض افراد کے انتفاع کیلئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور اس اختصاص کا موجب جسکو ہم ملک کہتے ہیں زمین کی آبادکاری کا عمل ہے جس کسی نے زمین کا کوئی حصہ کارآمد بنا لیا ہے۔ اس کی محنت اور کارکردگی کے عوض میں حق تعالیٰ نے اس عامل کو اسکے حصہ زمین پر ملک کا حق عنایت فرمایا ہے اور اسی کو احیاء اور قبضہ کہا جاتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے (اسی نے بنایا تمکو زمین سے اور بسایا تم کو زمین میں سو گناہ بخشواؤ اس سے اور رجوع کرو اس کی طرف (ہود)) اللہ نے حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر زمین میں سے غذائیں پیدا کیں اور ان سے آدمی کی پیدائش کا مادہ بنتا ہے اور زمین کی آبادکاری کی ترکیبیں اور تدابیر اللہ نے انسان کو بتلائیں اور انسان کو اللہ نے زمین کا آبادکار گردانا جس نے کسی کو زمین کی آبادکاری سپرد کر دی اور اسکو زمین کے کارآمد بنانیکا ذمہ دار گردانا تو عرب کہتے ہیں اعمرتہ الارض واستعمرتہ اذا جعلتہ عامرھا وفوضت الیہ عمارتھا میں نے اسکو زمین کے کارآمد بنانے کا ذمہ دار بنایا ہے۔ قرآن کی اس آیت میں واستعمرکم فیھا کا لفظ ہے۔ اور ابن کثیرؒ ابوبکر رازی جصاص اور سید آلوسیؒ نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ اللہ نے انسان کو زمین کے آباد کرنے کا امر کیا ہے کہ اس کو اپنی معاشی زندگی میں اس کی ضرورت ہے زمین کو انسان آباد کریں اور اس میں رہیں۔ زمین کو آباد کریں اور اس سے اپنا معاش حاصل کریں

Marfat.com

اس آبادکار نے زمین کے جسقدر حصّہ کو کارآمد بنالیا ہے۔ تو اس پر اس کا ملک قائم ہوا اور اس کے فائدہ کیلئے وہ مخصوص ہوگئی اور دوسروں کے انتفاع کی اباحت ختم ہوگئی اور اس آبادکار کے حق میں اس زمین سے استفادہ کی عصمت ثابت ہوتی ہے اور اسی کو ہم ملک کہتے ہیں۔ حضور نے فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام (زمین خدا کی زمین ہے اور بندے بھی خدا کے بندے ہیں۔ جس کسی نے مُردہ زمین غیر آباد زمین کو آباد کرلیا تو وہی آبادکار اس زمین کا پہلا اور زیادہ حق رکھتا ہے۔ ابوداؤد ص ۸۲ ج ۲) اور حضور نے فرمایا (جس نے کسی ایسی زمین کو آباد کیا ہے کہ وہ کسی کے ملک میں نہ تھی تو وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ بخاری ص ۳۱۲ ج ۱) اور حضور نے فرمایا (جس نے اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کو آباد کرلیا تو وہ اس کے لئے ہے اور اس کے بعد اسکے ورثا کیلئے ہے احکام القرآن ص ۲۰۳ ج ۳) اور حضور نے فرمایا (جو کوئی کسی غیر آباد زمین کو آباد کرلے تو وہ اس کی ہے۔ اور کسی دوسرے کی زمین میں جبر سے کام کرنا اور آباد کرنا کسی کا حق نہیں ہے۔ ابوداؤد ص ۸۱ ج ۲) کتاب اور سنّت کا ضابطہ یہ ہے کہ زمین کا مالک وہ شخص ہے جو اس پر بستا ہے اور اس میں کام کرتا ہے اور اس کو آباد رکھتا ہے۔ اور اس کی یہ محنت و عمل صرف اس لئے ہے کہ وہ اس سے اپنا معاش اور اپنی روزی حاصل کرتا رہے۔ زمین سے معاش کا استفادہ اور زمین پر ملک کی بنیاد اور اصل یہ ہے کہ اس میں عمل کیا جائے اور اس کو آباد رکھا جائے اور اس عطیہ قدرت پر مالکانہ حقوق کی قدیم اور اصولی بنیاد یہی چیز ہے۔ اور حضور سرور کائنات علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے پیغمبرانہ ارشادات میں صحیفۂ کائنات کے الٰہی اصول کی تجدید فرمائی ہے۔

Marfat.com

ضروریاتِ معاش سے زائد زمین

اگر کسی کے پاس اتنی بڑی زمین ہے کہ وہ اس کی ضروریاتِ معاش سے بہت زیادہ ہے۔ تو کتاب اور سنّت نے ایسے زمیندار کو اتنی وسیع زمین کے استفادہ کرنے سے روکا ہے۔ سورۃ نازعات میں مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ اور سورۃ اعراف میں وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ فرمایا گیا ہے اس کا صریح معنیٰ یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا زمین سے چشمے جاری کرنے اور سبزہ اگانے اور زمین کو رہنے سہنے کے قابل بنانے میں حکمت یہ ہے۔ کہ اس میں تمہارا اور تمہارے چوپایوں کا کام چلے اور زندگی بسر کرنے کے لئے تمکو اس میں روزی اور معاش ملے۔ انسان کو صرف اتنا حق دیا گیا ہے جسقدر استفادہ کرنا اسکے لئے ضروری ہے اور ضرورت سے زائد استفادہ کرنا تعیش اور خرمستیوں کے لئے وسیع پیمانہ پر رقبہ زمین سے نفع اُٹھانا دوسروں کے حقِ استفادہ کو غصب کرنا ہے۔ حضور نے فرمایا علیہ الصلوٰۃ والسلام (جسکے پاس اسکی ضرورت سے زیادہ زمین ہے اسکو مفت دوسروں کو کاشت کیلئے دیدے۔ ابوداؤد ص ۱۲۶ ج ۲) اور حضور نے فرمایا کہ زمین ہیں یا تو خود کاشت کرو یا دوسروں کو کاشت کیلئے دیدو۔ ورنہ اس زمین کو بغیر استفادہ کے روکے رکھو بخاری ص ۳۱۳ ج ۱) یعنی جو زمین ضرورت سے زائد ہے اور اس میں خود کام نہیں کیا جاتا ہے تو ایسی زمین سے مالک زمین کو استفادہ کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ ایسی زمین سے ایسے لوگوں کو استفادہ کرنیکا حق ہے جو اس میں کام کرتے ہیں اور ان کو اس سے استفادہ کرنے کی معاشی

Marfat.com

ضرورت ہے اور اگر کسی نے اپنی زمین سے دوسروں کا استفادہ کرنا پسند نہیں کیا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے زمیندار کو جو خود کام نہیں کرتا ایسی زمین کے استفادہ کرنے سے روک دیا ہے جو اس کی معاشی ضرورت سے زیادہ ہے۔ چونکہ کتاب اور سنت میں زمین کی آبادکاری اور ضروریاتِ معاش کا احتیاج زمین پر مالکانہ حق کی اصل اور بنیاد ہے اور جہاں یہ دونوں مفقود ہیں تو ملک کی دلیل میں شبہ ہوتا ہے اور شک پڑا کہ ایسا شخص جو خود زمین میں کام نہیں کرتا اور اس کو اس زمین کی معاشی ضرورت بھی نہیں ہے تو وہ اس زمین کا مالک کیونکر ہے۔ اس لئے حضور نے اس کو مالکانہ استفادہ کرنے سے روک دیا کہ اسکے ملک میں شبہ ہے۔ حضرت سید مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ منقولات کے مقابلہ پر زمین کا ملک کمزور ہے اسلئے کہ زمین پر ملک کو قائم کرنا اور قائم رکھنا معاشی ضرورت اور اپنے ہاتھ سے کام اور عمل کرنے پر موقوف ہے) گویا قدرت نے زمین کو اس لئے بچھایا ہے کہ یا تو اس میں اس کا مالک خود کاشت کرے یا دوسروں کو کاشت کیلئے عطیہ کرے۔ فیض الباری ص ۲۹۵ ج ۳۔

زمین کی آبادکاری ہی زمین کا قبضہ ہے

اگر کوئی مالک زمین میں کام کرنے کی جانی مئونت نہ برداشت نہیں کرسکتا یا مالی مئونت کا وہ تحمل نہیں کرسکتا ہے۔ تو ایسا مالک زمین کی آبادکاری سے عاجز سمجھا جاتا ہے اور اس کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس زمین کا ایسا مالک سمجھا جائے کہ اس کو اس زمین سے بیدخل

Marfat.com

نہیں کیا جا سکتا ہے اور سرکاری کاغذات پر چونکہ اس کے نام وہ زمین لگ چکی ہے اسلئے وہ اس کا مالک رہیگا اور اس کی زمین اسکے قبضہ میں رہیگی۔ اسلام ایسے مالک [illegible] کے برائے نام مالک اور قبضہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ جو کہ وہ اپنی زمین کو آباد نہیں رکھتا ہے یا آباد نہیں رکھ سکتا ہے۔ بلکہ اسکو رد کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں ایک کسان مسلمان ہوا تو امیر المومنین نے اسے فرمایا۔ آپ اگر بدستور اپنی زمین میں کام کرتے ہوئے اس میں اپنا معاش قائم رکھینگے تو آپ کی زمین آپ کے پاس رہیگی اور جزیہ ہم نے آپ سے اٹھا لیا ہے اور آپ کی زمین میں جو خلافت کا حق ہے وہ آپ سے لیا جائیگا۔ اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا اور معاش کے دوسرے ذرائع پسند کر لئے تو آپ کی زمین کے ہم زیادہ حق رکھتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک مسلمان عورت سے کہا تھا اور خلفاء راشدین کی غرض اس سے یہ تھی کہ جو شخص زمین کی آباد کاری سے عاجز ہے تو اس کی زمین کو امیر المومنین آباد رکھیں گے تا کہ عام مسلمانوں کے وہ حقوق جو زمین میں رکھے گئے ہیں وہ تلف نہ ہو جائیں اور ملک میں روزی کی کمی نہ آئے۔

(احکام القرآن جصاص ج ۶۳۲/۳)

حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ایسے مالک کو زمین سے بے دخل کرنے کا نوٹس دیدیا ہے جس میں وہ کام ہی نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ وقت کا سیاسی انتظام نہیں تھا بلکہ وہ اسلام میں ہمیشہ کا ضابطہ ہے۔ چنانچہ ابوبکر جصاصؒ لکھتے ہیں جس میں اپنی زمین کو آباد رکھنے کی طاقت نہیں ہے تو ہم حنفیوں کے مسلک میں قاعدہ یہ ہے کہ حکومت ایسے مالک کو اس کی زمین سے بے دخل کر دے اور حکومت اپنے انتظام میں

Marfat.com

خاطر خواہ اس کی بندوبست کرے (احکام القرآن ص ۵۳۲ ج ۳) اور ابن عابدین رح کہتے ہیں اگر کوئی زمیندار اسقدر مجبور ہے کہ اس کے پاس کاشت وغیرہ کے ذرائع نہیں ہیں تو حکومت اس کی زمین کو کسی ایسے شخص کو کاشت کرنے کیلئے دیدے جو اسکو آباد کرسکتا ہے۔ تاکہ حکومت اس زمیندار کے حصہ میں سے سرکاری مالگذاری وصول کرے اور حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ اس کی زمین کو ٹھیکہ پر دیدے اور ٹھیکہ کی رقم سے سرکاری مالگذاری وصول کرے اور حکومت کو یہ بھی اختیار ہے کہ اپنی نگرانی میں اس کی زمین میں کاشت کرائے اور اگر حکومت میں ایسا انتظامیہ شعبہ نہیں ہے۔ تو حکومت کو یہ بھی اختیار ہے۔ کہ اس کی زمین کو فروخت کردے۔ اور نہایہ میں لکھا ہے۔ کہ اس مسئلہ میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اور حکومت کے ایسے اختیارات سے ایک شخص کو ضرر ضرور پہنچتا ہے۔ مگر اس ایک شخص کے نقصان کے مقابلہ پر ایک اہم اور عام مقصد کو ضرر سے بچایا گیا ہے۔ اور اور اصل مقصد بھی یہی ہے کہ عام مفاد کو ملحوظ رکھا جائے۔ (رد المختار ص ۳۶۴ ج ۳)

آپ غور کیجئے کہ حکومت کو یہ تمام اختیارات دیئے گئے اور زمیندار کا تصرف روک دیا گیا اسکو امر نہیں کیا گیا کہ وہ خود حکومت سے امداد کی درخواست کرے یا اپنے دیگر مالکانہ تصرفات کو قائم رکھے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ قرآن و حدیث نے مالکانہ تصرف کی بنیاد زمین کی آبادکاری پر رکھی ہے اور جب کوئی زمیندار زمین کی آبادکاری سے مجبور ہے خواہ وہ تنگدست ہے یا زمین کا رقبہ اسقدر وسیع ہے کہ وہ از خود اسکا انتظام نہیں کرسکتا ہے تو اس کا مالکانہ بنیادیں اتنی قوت اور پوری سکت باقی نہیں ہے کہ اس کی ملکیت کے تمام حقوق کو قائم رکھے اور اس کے

مالکانہ تصرفات کو عمل میں لائے اسلئے ایسے زمیندار کو مالکانہ حقوق اور اختیارات سے روک دیا گیا اور نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا کہ زمین کے ماک اور منقولہ املاک کے ملک میں کتاب اور سنّت کی نقطہ گاہ میں فرق ہے اور اس سے وہ شبہ رفع ہو جاتا ہے جو بعض فضلاء کو پیش آیا ہے کہ منقولہ املاک غیر محدود حد تک اگر کسی کے ملک میں رہ سکتے ہیں تو غیر منقولہ املاک سے استفادہ کرنے کی حد کیوں لگائی جائیگی بلکہ منقولہ املاک کی طرح غیر منقولہ املاک سے بھی خواہ اس کی حد کتنی بھی وسیع ہو اس کے مالک کو اس سے استفادہ کرنے کا حق ہو جانا چاہیئے مگر شارع کی نگاہ میں غیر آباد کار زمیندار کا ملک مشکوک اور مشتبہ ہے اور اس کی غیر آبادکاری کی وجہ نے اس کے ملک میں ضعف پیدا کر دیا ہے اور منقولہ املاک پر اس کے ملک کی وجوہات دوسرے ہیں جو بہرحال قائم ہیں۔

حضور نے فرمایا علیہ الصّلوٰۃ والسلام جس نے کسی مُردہ زمین کو کارآمد بنالیا ہے تو وہ اس کی ہے اور خواہ مخواہ زمین کو روکے رکھنے والے کو تین سال کے بعد اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ (کتاب الخراج لابی یوسف ص ۶۵)

اور حضرت عمر نے منبر پر بیٹھے ہوئے فرمایا جس نے کسی مُردہ زمین کو آباد کر لیا تو وہ اس کی ہے اور خواہ مخواہ روکے رکھنے والے کیلئے تین سال کے بعد اس زمین میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور حضرت عمر کو ایسے اعلان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ لوگ زمینوں کو روک لیا کرتے تھے اور ان میں کام نہیں کرتے تھے۔ (کتاب الخراج ص ۶۵)

ایک زمیندار کو تین سال تک زمین کو کارآمد بنانے کیلئے شارع نے

Marfat.com

مہلت دی ہے اور اسکے بعد اگر اس نے کار آمد نہیں بنایا ہے تو شارع نے اس پر سے اسکا حق اٹھا لیا ہے۔ بلال بن حارث مزنی کو حضور نے بڑی وادی عتیق عنایت فرمائی تھی مگر حضرت بلال اس کے ایک بڑے حصہ کو آباد نہ کر سکے تو حضرت عمر نے اس کو بلا کر فرمایا کہ آپ کو زمین اسلئے نہیں دیگئی تھی کہ آپ نہ خود اس کو استعمال کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو استعمال کرنے کیلئے دیتے ہیں آپ اس زمین کا اتنا رقبہ اپنے پاس رکھ سکتے ہیں جتنا کہ آپ نے کار آمد بنا لیا ہے اور آپ کے استعمال میں آتا ہے۔ حضرت بلال کے انکار کے باوجود بھی حضرت عمر نے باقی زمین کو جو غیر آباد پڑی تھی واپس کر لی اور ایسے لوگوں کو دیدی جو اس کو آباد کرتے تھے۔
(کتاب الخراج یحیٰی بن آدم)

اسلام بیشک کسی کے ملک میں کسی کو بھی دست اندازی کرنے کی اجازت نہیں دیتا ہے مگر اسکا تجسس ضرور کیا جائیگا کہ اس کے ملک کا اسقدر وسیع دائرہ کیونکر پھیلا اور اپنے ملک اور قوم کے دوسرے افراد کے مقابلہ پر اسقدر وسیع رقبہ زمین جسکا آباد کرنا اس کے بس سے باہر ہے اس کے ملک میں آیا ہے تو کیسے آیا اور کہاں سے آیا ہے۔ کیا یہ اس کا جابرانہ ملک اور کاغذات مال کے توسط سے اسکا غاصبانہ قبضہ اور کسی غیر مالک غاصب کی دی ہوئی بخشش اور جاگیر تو نہیں ہے جس پر اسکو ملک کا گمان ہوتا ہے۔ یاد رکھئے اسلام میں ایسے ملک اور بدی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ آپکو معلوم ہے کہ ہمارے اس ملک میں بہت سے استکباری زندگی بسر کرنے والے ایسے بھی ہیں جن کی امیرانہ نخوت کو انگریزوں کے لطف و عنایت نے چار چاند لگائے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ انگریزوں

Marfat.com

کی دی ہوئی جاگیروں کے شرعی مالک ہیں اور اسلام ان کے ملک کو جائز اور صحیح قرار دیتا ہے۔

واضح رہے کہ ہمارے اس ملک پر پہلے ہماری حکومت تھی۔ اور انگریز نے اس ملک کی حکومت ہم سے قوت اور جبر سے چھین لی اور ہم پر وہ غالب آیا اور اس ملک کی غیر منقولہ جائداد مسلمانوں کے ملک اور تصرف میں تھی یا مسلمانوں کے ملک آسکتی تھی اور انگریزوں کے تسلط و استیلاء کے بعد ہمارا حاکمانہ ملک و تصرف معطل ہوا۔ مگر انگریز ہمارے ملک کے غیر منقولہ املاک کا ہرگز جائز مالک اور شرعی مالک نہیں تھا۔ اسلئے کہ مسلمانوں کے ملک پر متغلب غیر مسلم مسلمانوں کے غیر منقولہ املاک کا مالک نہیں ہوتا ہے اور اس متغلب غیر مسلم حکومت کے زوال کے بعد ان کے تمام مقبوضات جنکو ہم سرکاری املاک اور مقبوضات کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے ملک میں واپس ہوتے ہیں اور ان میں خاص اشخاص کے املاک کو قدیم مالکوں کے حوالہ کئے جائیں گے۔ ورنہ ان پر عام ملک یعنی قوم اور حکومت کا اجتماعی ملک ہوگا اور غیر مسلم متغلب کا بنایا ہوا کوئی مالک مالک نہیں رہتا ہے۔ اسلئے کہ اسکو صحیح مالک نے مالک نہیں بنایا تھا۔ اور غاصب اور غیر مسلم متغلب کو کسی کے مالک بنانے کا جائز حق نہیں دیا گیا ہے (بدائع جلد ۷ صـ ۱۲۷) اور دوسرے فقہاء کی کتابوں میں صراحت کیساتھ یہ بیان ہوا ہے۔

اگر ان جاگیرداروں کو اسلام کا دعویٰ اور کتاب و سنت کی پابندی کرنے کا عقیدہ ہے تو وہ از خود ایسی جاگیروں کو واپس کر دیں جو صرف اسلام دشمنی اور افتراق امت اور کفر کے غلبہ کو قبلہ توجہ اور مرکز اغراض

بنانے کے صلہ میں جاگیریں ان کو دی گئی تھیں۔ ورنہ حکومت کو چاہیئے کہ کفر کی قوت اور کفر کی حکومت کی طرح کفر کے تعلقات اور بہی خواہی کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دے اور اپنے ملک اور حکومت کے عوام کو اندرونی اور بیرونی خفیہ سازشوں کے فتنہ و فساد سے محفوظ کرلے۔ کتاب و سنّت کی ان تصریحات کو کہ زمین پر کسی کا ملک اور قبضہ تب ہی قائم رہتا ہے کہ وہ اس میں کام کرتا ہے اور اسکو اپنے معاش میں اس کی ضرورت ہے اور جو رقبہ اس کی معاشی ضرورت سے زیادہ ہے اسکو دوسروں کے استفادہ کیلئے دیدیا جائے۔ اور جس رقبہ زمین کو مالک زمین خود آباد نہیں کرسکتا ہے اس سے اس کی زمین لی جائیگی سامنے لاکر مزارعت کی مشروعیّت پر غور کرنا چاہیئے کہ قرآن و حدیث سے مزارعت کی مشروعیّت کی توقع کیجا سکتی ہے۔

حضور کا ایجابی حکم

آپکو معلوم ہے۔ کہ مہاجرین کا معاشی پیشہ تجارت اور بیوپار تھا اور انصار کے معاش کا زیادہ دارومدار زمینوں کی کاشت اور زراعت پر تھا جیسا کہ ابی ہریرہؓ کے بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب البیوع والحرث) اور انصار کے پاس اتنی زمینیں تھیں کہ ان میں خود کام کرتے تھے اور ان سے فائدہ اٹھاتے تھے اور تمام عرب قریب قریب زمینداری رواج سے آشنا نہ تھا۔ مصر، شام، عراق میں غیر ملکی رومیوں اور ایرانیوں نے اسکو رواج دیا تھا۔ مگر وہ بھی تھوڑے دنوں کی بات تھی۔ چنانچہ فاروقِ اعظمؓ کی حکومت نے جب ایرانیوں کو عراق سے باہر بھگا دیا تو کسری

Marfat.com

اور اس کے گھر والوں کی جاگیر کی ستّر لاکھ روپیہ آمدنی تھی اور فاروقِ اعظمؓ نے ان تمام زمینوں کو لوگوں میں آباد کرنے کیلئے تقسیم کیا۔ (کتاب الخراج صے فتح الباری صہ ج ۵)

مدینہ منوّرہ میں صرف قبیلہ اوس کے خاندان بنی حارثہ میں ضرورت سے زیادہ زرعی زمینیں موجود تھیں جنکو وہ خود آباد نہیں رکھ سکتے تھے اسلئے وہ دوسروں سے بٹائی پر ان کا انتظام کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ زراعت کے متعلق روایتوں کا ماخذ اکثر اس خاندان کے افراد رہے ہیں چنانچہ حضرت رافع بن خدیجؓ جو خاندان بنی حارثہ کے مشہور صحابی ہیں فرماتے ہیں (مدینہ منوّرہ میں سب سے زیادہ زرعی زمینیں ہمارے خاندان کے پاس تھیں اور ہم ان کو بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ اور بٹائی میں ہمارا دستور یہ تھا کہ زمین کے ایک معین قطعہ کی پیداوار کو زمین کے مالک کیلئے ہم مخصوص کر لیتے تھے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا تھا کہ جو قطعہ زمین کے مالک کیلئے خاص کر دیا گیا تھا اس پر کچھ آفت پڑجاتی تھی اور دوسرا حصہ سالم رہتا تھا اور کبھی اس کے برعکس ہوجاتا تھا تو ایسے معاملہ مزارعت کرنے سے ہم روک دیئے گئے۔ (بخاری صہ ۳۱۳ ج ۱)

حضرت رافع کے چچا حضرت ظہیرؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے مجھے بلا کر دریافت فرمایا کہ آپ اپنی زمینوں کا کیا انتظام کرتے ہیں۔ حضرت ظہیرؓ نے کہا ہم اپنی زمینوں کو نالیوں کی سرے کی پیداوار کی شرط اور کھجور اور جو کے چند وسق کی شرط پر دوسروں کو بٹائی پر دے دیتے ہیں۔ حضور نے اس کا جواب سن کر ارشاد فرمایا۔ ایسا مت کرو۔ اَزْرِعُوْهَا وَاَزْرِعُوْهَا اَوْ اَمْسِكُوْهَا خود کاشت کرو یا دوسروں کو کاشت کیلئے دے دو یا کاشت کئے بغیر اس کو

Marfat.com

روکے رکھو (بخاری ص ۳۱۵ ج ۱)

حضور نے بٹائی کے طریقہ کو روکتے ہوئے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کے اختیار کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضرت ظہیرؓ کے معاملہ مزارعت کو بند کرتے ہوئے حضور نے طریقہ مزارعت کو ذیل کے تین امور میں تبدیل کر دیا ہے:۔

(۱) زمین میں خود کاشت۔ (۲) اپنی زمین کو دوسروں کی کاشت کیلئے دیدینا (۳) اگر ان دونوں باتوں میں کوئی بات زمین کے مالک کو پسند نہیں آئی ہے تو اپنی زمین کو کاشت کے بغیر خالی رکھے۔

حضور نے اپنے ارشاد میں مزارعت کیلئے کوئی گنجائش نہیں رکھی خواہ اس میں وہ شرط ہو یا نہ ہو جو حضرت رافع کے بیان میں مذکور ہے زمین سے استفادہ کرنے کی بھی دو صورتیں مشروع ہیں جو حضور کے ارشاد میں مذکور ہیں اور یہ حضور کا ایجابی حکم ہے جس میں مزارعت کی مشروعیت کی جگہ نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ اور حضرت ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس کے پاس کوئی زمین ہے تو اس میں خود کاشت کرے یا دوسروں کو مفت کاشت کیلئے دے دے اور اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو اپنی زمین کو خالی از کاشت روکے رکھے۔ (بخاری ص ۳۱۵ ج ۱ نسائی ص ۱۵۱ ج ۲)

حضرت جابرؓ اور حضرت ابی ہریرہؓ کے اس بیان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود کاشت کے سوا زمین کے مالک کیلئے دوسری تمام صورتوں کو روکتے ہوئے مزارعت یعنی زمینداری کو

Marfat.com

سرے سے بند کرنا چاہا تھا ورنہ زمین کے مالک کیلئے اگر خود کاشت کے سوا زمین سے استفادہ کرنے کیلئے کوئی دوسرا طریقہ بھی مشروع فرماتے تو اس ارشاد میں اسکا ذکر ضرور ہوتا۔ اسلئے کہ یہ ایک ضابطہ ہے۔ کہ زمین سے استفادہ کرنے کے لئے حضور قائم فرما رہے ہیں اور تفصیل و بیان کا موقع ہے اور ایسے موقع پر زمین کے مالک کی استفادہ کی صورت کو صرف اس کی خود کاشت کو حضور کے ارشاد میں محصور کرنا یہ ثابت کرتا ہے۔ کہ حضور کی نگاہ میں زمینداری کی مشروعیت کیلئے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ حضور کے عہد میں کھیتی کرنے کیلئے چار آدمی اکٹھے ہو گئے اور ان میں ایک کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ہل بیل کا انتظام کرینگے اور دوسرے صاحب نے کہا کہ وہ تخم مہیا کریگا۔ اور تیسرے صاحب نے محنت اور عمل کا ذمہ لیا اور چوتھے صاحب کی طرف سے زمین پیش کی گئی اور ان صاحبوں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جب کھیتی تیار ہو جائیگی تو حضور کی خدمت میں فیصلہ لینے کیلئے یہ معاملہ پیش کیا جائیگا۔ چنانچہ وقت آنے پر حضور کی خدمت میں وہ معاملہ لایا گیا اور حضور نے ان میں ذیل کا فیصلہ فرمایا ہے کہ جس نے ہل بیل کا انتظام کیا تھا اسکو مروجہ اُجرت دے دی جائے اور جس نے محنت اور کام کیا ہے اسکو یومیہ کے حساب سے مزدوری دے دی جائے۔ اور جس نے تخم دیا تھا پیداوار اسکا حق ہے اور زمین کے مالک کو حضور نے اپنے فیصلہ میں کچھ بھی حق نہیں دیا ہے (مبسوط ج ۲۳ ص ۱۶۰) طحاویؒ فرماتے ہیں کہ حضور نے اس معاملہ مزارعت کو فسخ کر دیا اور زمین کے مالک کو پیداوار زمین سے کچھ نہیں دیا۔ (معانی الآثار ج ۳ ص ۲۶۴)

Marfat.com

مجاہد کی یہ روایت اگرچہ مرسل ہے مگر مجاہدؒ کی تمام مراسیل جمہور محدثین کے یہاں مقبول ہیں۔ فیض الباری صفحہ ۲۹۷ ج ۳ اور معانی الآثار میں اس کی خوب تفصیل ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ اس واقعہ کو بیان کر کے کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ قیاس اور عقلی تک بندیاں اس کے مقابلہ پر کچھ حقیقت نہیں رکھتی ہیں اور زمین کے مالک کا حق لغو کرتے ہوئے حضورؐ کا یہ فیصلہ ثابت کرتا ہے کہ زمین کے مالکوں پر مطلقاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کام کئے بغیر زمین سے استفادہ کرنا یعنی مزارعت کا دروازہ بند کرنا چاہا ہے۔ اس واقعہ میں مالک کی طرف سے کسی فاسد شرط کے بغیر سیدھا سیدھا مزارعت کا معاملہ کیا گیا تھا مگر صرف اس وجہ سے کہ وہ زمین کا مالک ہے اس کا حق ہونا چاہیئے تو حضور نے صرف اس کی ملکیت کے عوض میں اس کیلئے کوئی حق نہیں رکھا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ سنت نبوی میں مزارعت کی مشروعیت کیلئے کوئی گنجائش اور اصل نہیں ہے۔

حدیث میں مزارعت کی ممانعت

حضرت رافع کے دو چچاؤں نے آپ سے کہا کہ وہ حضور کے زمانہ میں زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور مالک کی طرف سے اس میں یہ شرط ہوتی تھی کہ پانی کی نالیوں کے سر پر جو فصل ہے وہ زمین کے مالک کی ہوگی اور کچھ پیداوار بھی زمین کا مالک اپنے لئے استثناء رکھتے تھے تو ہمکو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کرنے سے منع فرمایا

(بخاری، صفحہ ۳۱۵ ج ۱)

Marfat.com

حضرت رافع فرماتے ہیں کہ ایک دن بنی حارثہ میں حضور تشریف لائے اور حضرت ظہیر کی ہری بھری کھیتی کو دیکھ کر فرمایا کیا اچھی کھیتی ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ زمین ظہیر کی ہے۔ مگر کھیتی کسی اور کی ہے حضور نے یہ سن کر فیصلہ دیا کہ کاشت کرنے والے کو محنت کی اجرت اور کاشت کے مصارف دیدیجئے اور کھیتی ظہیر کیلئے ہے۔ حضرت رافع کہتے ہیں کہ کاشتکار کو محنت کی اجرت وغیرہ مصارف ادا کر دیئے گئے اور کھیتی ہم نے لے لی۔ (ابوداؤد ص ۱۲۷ ج ۲)

حضور نے حضرت ظہیر کی مزارعت کا معاملہ فسخ کر دیا اور چونکہ وہ زمین کے مالک تھے اس کی زمین اسکے تصرف میں ہونی چاہیئے اور کھیتی ابھی تیار نہ تھی اسلئے اسکا اتنا حق تسلیم کیا گیا ہے کہ اس کی زمین اسکے پاس رہے اور کھیتی کی قیمت اور محنت کی اجرت مزارع کو دلوائی گئی کہ پیداوار وغیرہ اسکا حق تھا اور نیز ان کا یہ رواج پرانا چلا آرہا تھا اس سے پہلے حضور کو اس کا علم نہ تھا اور جب آپکو معلوم ہوا تو آپ نے ان کو روک دیا۔ شرعی حکم ان کے رواج میں نہیں تھا تاکہ یہ سمجھا جائے کہ ان کے رواج کے مطابق جو مزارعت ہوتی ہے حضور نے اس کو منع فرمایا ہے۔ بلکہ شرعی حکم حضور کے ارشاد سے لیا جاتا ہے اور حضور کے ارشاد میں اطلاق ہے کوئی فاسد شرط وغیرہ ممانعت کی بنا نہیں ہے۔

عبداللہ ابن عمر کو معلوم ہوا کہ حضرت رافع کہتے ہیں کہ حضور نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا تو آپ نے حضرت رافع سے مل کر دریافت کیا کہ اس معاملہ میں حضور نے کیا ارشاد فرمایا ہے حضرت رافع نے کہا کہ میرے دو نو چچاؤں نے جن کی جلالت شان یہ ہے کہ وہ

Marfat.com

دونوں بدر کے جنگ میں حضور کے ساتھ موجود تھے اپنے محلوں والوں سے فرما رہے تھے اور میں نے ان سے سُنا کہ حضور نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا ہے۔ عبداللہ ابن عمر اپنی زمین کو کرایہ پر دیا کرتے تھے اور دوسرے لوگ بھی۔ اور حضرت رافع کی حدیث ممانعت سن کر عبداللہ ابن عمر گھبرا گئے کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا ہے اور مجھے علم نہیں ہوا۔ تو آپ نے زمین کو کرایہ پر دینا بند کر دیا۔ (ابوداؤد صـ ۱۲۶/۲ بخاری صـ ۳۱۵/۱ ۔ نسائی صـ ۱۵۴/۲)

حضرت رافع اپنے کھیت کو پانی دے رہے تھے اور اس وقت اس پر حضور کا گذر ہوا تو دریافت فرمایا کہ یہ کھیتی کس کی ہے اور زمین کس کی ہے۔ حضرت رافع نے جواب میں حضور کو بتلایا کہ یہ کھیتی میری ہے۔ تخم میں نے ڈالا ہے اور محنت بھی میں کرتا ہوں اور زمین کسی اور کی ہے۔ اور پیداوار کا آدھا اسکا ہے اور آدھا میرے لئے ہے۔ حضور نے حضرت رافع سے فرمایا تم دونوں نے سودی معاملہ کیا ہے زمین اس کے مالک کو واپس کر دیجئے اور محنت اور دیگر مصارف کی اجرت اور معاوضہ اس سے آپ لے لیجئے۔ (ابوداؤد صـ ۱۲۷/۲)

جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو فرماتے ہوئے سُنا کہ جس نے مخابرہ کو نہیں چھوڑا ہے (مخابرہ کا معنی مزارعت ہے) تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان کیا جائے (ابوداؤد صـ ۱۲۷/۲)

حضور نے مزارعت کو سود کہا اور جیسا کہ سود لینے والے کو قرآن شریف نے جنگ کا اعلان کیا ہے۔ اسی طرح مزارعت کرنیوالوں

Marfat.com

کو حضور نے جنگ کا اعلان فرمایا۔ حضور کے ان ارشادات سے بعض فضلاء کا وہ شبہ رفع ہوتا ہے کہ مزارعت کی نہی تنزیہی ہے یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ بلکہ سود کی تحریمی نہی کی طرح مزارعت کی نہی ہے یعنی ممانعت تحریمی ہے۔ اور حضرت رافع کا سیدھا سادا مزارعت کا معاملہ تھا۔ اس میں کوئی فاسد شرط نہیں تھی مگر حضور نے اس کو سود قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نفس مزارعت کے معاملہ کو منع کرنا چاہتے ہیں اس سے بعض فضلاء کا یہ شک رفع ہوتا ہے۔ کہ حضور نے مزارعت کی ممانعت اسلئے فرمائی تھی کہ اس میں فاسد شرط مذکور تھی جیسے کہ حنظلہ بن قیس نے حضرت رافع کے بیان میں ذکر کیا ہے حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں حضور نے مخابرہ سے منع فرمایا ہے۔ اور مخابرہ یہ ہے۔ کہ نصف یا ثلث یا ربع کی بٹائی پر زمین کا ٹھیکہ لیا جائے (ابوداؤد ص ۱۲۸ ج ۲)

ابن عمر فرماتے ہیں۔ ہم پہلے اپنی زمینوں کو مزارعت کے لئے دیا کرتے تھے مگر رافع بن خدیج نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مزارعت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی ص ۱۵۵ ج ۲)

حضرت قاسم بن محمد صدیق اکبر کے پوتے سے زمین کے کرایہ کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ حضرت رافع کہتے ہیں۔ کہ حضور نے زمین کے کرایہ سے منع فرمایا ہے۔ (نسائی ص ۱۵۲ ج ۲)

حضرت جابر فرماتے ہیں۔ حضور نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا جس کے پاس زمین ہے اس میں خود کاشت کرے یا مفت دوسروں کو کاشت کیلئے دے دے اور اس کا کرایہ نہ لے۔ (نسائی ص ۱۵۱ ج ۲)

اسید بن ظہیر کہتے ہیں ہمارے پاس رافع ابن خدیجؓ آئے اور کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمکو حقل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور حقل ثلث اور ربع کی بٹائی ہے۔ (نسائی صفحہ ۱۵۰ ج ۲)

ان حضرات صحابہ کے بیان سے تصریح کیساتھ ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے مزارعت کی ممانعت اس لئے کی ہے کہ حضور نے زمین کا کرایہ بند کرنا چاہا تھا۔ حافظ ابن حزم کہتے ہیں۔ کہ ابن عمرؓ، سلیمان بن یسار، نافع، عمران بن سہل ابو النجاشی تمام حضرات نے حضرت رافع سے مطلقاً زمین کے کرایہ کی ممانعت کو روایت کیا ہے۔ اور یہ سارے کے سارے حضرت حنظلہ بن قیس سے زیادہ ثقہ ہیں۔ اور ان کے بیانوں پر اعتماد کرنے کا زیادہ حق ہے۔ (محلی ابن حزم صفحہ ۲۲ ج ۸)

اسید بن ظہیر فرماتے ہیں کہ ہمکو رافع ابن خدیجؓ نے آکر کہا کہ حضور نے تمکو ایسے کام سے منع فرمایا ہے۔ جس میں سراسر تمہارے لئے نفع ہی نفع تھا۔ مگر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اس سے بھی زیادہ نفع بخش ہے حضور نے حقل سے منع فرمایا ہے اور فرمایا جسکے پاس زائد زمین ہے اس کو مفت کاشت کے لئے دیدے یا اس کو خالی روکے رکھے۔ (ابو داؤد صفحہ ۱۲۳ ج ۲)

اسید ابن ظہیر ایک دن اپنی قوم کے سامنے آئے اور کہا۔ اے بنی حارثہ تم پر بڑی مصیبت پڑی اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین کے کرایہ سے منع فرمایا ہے اور ہم نے حضور سے کہا کہ ہم غلہ کے عوض زمین کو کرایہ پر دیدیں یا کوئی اور چارہ وغیرہ کرایہ میں لے لیا کریں یا جو پانی کی نالیوں کے سرے پر فصل ہوتی ہے اس کو

۵۴۹۹

کرایہ میں لیا کریں تو حضور نے سب کا انکار فرمایا اور مذکورہ تینوں استفادہ کی صورتوں میں حضور نے ایک صورت کی بھی اجازت نہیں دی۔ اور فرمایا کہ اس کو خود کاشت کرو یا مفت دوسروں کو کاشت کے لئے دیدو۔ (نسائی ص ۱۵۰ ج ۲)

اسید ابن ظہیر کے اس مفصل بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اس شرط فاسد کو مزارعت کی ممانعت کیلئے بنیاد بنانے کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اسلئے کہ اس شرط کے نہ ہوتے ہوئے بھی حضور نے دوسروں کی محنت اور کمائی کے فائدہ اٹھانے سے منع فرمایا۔ شمس الائمہ سرخسی رح حضرت اسید کے اس فقرہ کی (کہ بنی حارثہ تم پر مصیبت پڑ گئی) شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ حضور کا مزارعت کو منع فرمانا بنی حارثہ کیلئے مصیبت ہوئی کہ بنی حارثہ کو کسی محنت اور مؤنۃ کے بغیر زمینداری کی شکل میں اپنی زمینوں سے استفادہ کرنے کی عادت پڑ گئی تھی، اور براہ راست کام کر کے اپنی زمینوں سے استفادہ کرنا ان پر شاق گذرا اور اگر ممانعت کی وجہ وہی فاسد شرط ہے جو مذکور ہوئی ہے تو اس شرط کا چھوڑ دینا ان پر اسقدر شاق نہ گزرتا کہ مصیبت بن کر ان پر پڑتی۔ اسلئے کہ اس شرط کے بغیر سیدھی سادی مزارعت میں بھی اپنی زمینوں سے جو اصل مقصد ہے استفادہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کیلئے مصیبت یہ تھی کہ زمین میں عمل اور مؤنۃ کے بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو اپنی زمینوں کے استفادہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (مبسوط ص ۱۲ ج ۲۳)

کتاب اور سنت ہی اسلامی دقائق کا محکمہ ہے اور محکمہ سنت کے صریح احکام اور صحابہ کی زندگی کے عملی آثار آپ کے سامنے ہیں۔

Marfat.com

اور اس سے زائد کثرت کیساتھ کتابوں میں آپ کو مل سکتے ہیں۔ جن سے مندلاشی حق کو پورا اطمینان ہوتا ہے۔ کہ اسلام کے بنیادی دستور میں زمینداری کی مشروعیت کیلئے ہرگز گنجائش نہیں ہے۔ خانہ ان بنی حارثہ میں حضرت رافع۔ حضرت ظہیر اور آپ کے بھائی اور اسید بن ظہیر مزارعت کرنے سے رک گئے تھے۔ اور ابن عمر نے بھی اپنی مزارعت کو بند کر دیا تھا۔ اور ان کے علاوہ حضرت جابرؓ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت ابی ہریرہؓ نے زمینداری کی ممانعت کی حدیث کو روائت کیا ہے۔

ایک بڑے میاں جسکو پاکستان میں بعض لوگ شیخ الاسلام کہکر پکارتے ہیں۔ معارف رسالہ میں معانعت مزارعت کی حدیث پر یوں معترض ہوتے ہیں کہ حضرت رافعؓ کی حدیث میں اضطراب ہے اسلئے وہ قابلِ احتجاج نہیں ہے۔ مگر بڑے میاں صاحب کو حضرت رافع کی تحدیث اور سماع سے دھوکہ لگا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ حضرت رافع کو خود حضور سے سننے کا شرف بھی حاصل ہے اور آپ کے چچاؤں نے بھی آپ کو حضور کی حدیث کی اطلاع دی ہے۔ حضرت رافع دونوں طریقوں سے اسکو بیان کرتے ہیں اور نیز بخاریؒ کی جلالتِ شان اور اسانید کی معرفتِ علل میں دقتِ نظر کو سب جانتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں۔ کہ حضرت رافع کی حدیث کی تائید کے لئے بخاریؒ نے حضرت جابرؓ اور حضرت ابی ہریرہؓ کی حدیث کی اس لئے تخریج کی ہے۔ کہ بخاری کی غرض اس سے ان لوگوں کی اس بات کو رد کرنا ہے۔ جنہوں نے یہ کہا ہے۔ کہ حضرت رافع کی حدیث میں اضطراب ہے۔ (فتح الباری ص ۱۹ ج ۵)

ایک اور فاضل کو عبداللہ ابن عمر کے مزارعت بند کر دینے پر

استبعاد ہوا ہے۔ اور تعجب سے فرمایا ہے کہ ابنِ عمر کو اس ممانعت کا علم کیوں نہ ہوا۔ زمین کا معاملہ نجی اور شخصی زندگی کا کوئی اتفاقی معاملہ نہ تھا عام صحابہ کو اس کا علم ہونا ضروری تھا۔ مگر خلفاءِ راشدین اور عام صحابہ کے واقعات کی روشنی میں اس تعجب کی ہمیں کوئی حقیقت نہیں معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے کہ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اُسنے جملہ حدیثوں کا احاطہ کر لیا ہے تو اس کی طرح یہ بھی ضروری نہیں ہے۔ کہ ایک ایک صحابی کو ایک ایک حدیث کا ضرور علم ہوتا تھا۔ اسلئے کہ جب کبھی حضور کچھ ارشاد فرماتے تھے تو جو صحابی اس وقت بارگاہِ نبوّت میں حاضر رہتے تھے وہی حضرات اسکو سنتے تھے اور اس کے بعد لوگوں کے محدود دائرے میں وہ حدیث پہنچ جاتی تھی۔ اسلئے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ کسی مسئلہ کے متعلق کسی کے پاس معلومات ہیں اور کسی کے پاس نہیں ہیں اور اسوقت زمینداری کا مسئلہ ایسا اجتماعی مسئلہ نہ تھا کہ اس سے ہر فرد کی زندگی ضرور متاثر ہو رہی تھی اور نہ اسقدر جامعیّت کے ساتھ اس وقت یہ مسئلہ سامنے آیا تھا جسقدر اب آرہا ہے۔ حجاز غیر زرعی علاقہ مشہور ہے۔ مدینہ منورہ میں جو لوگ کھیتوں کا کام بھی کرتے تھے تو وہ برادرانہ اور اپنے ہاتھ سے کام کرتے تھے مزارعت کا رواج صرف بنی حارثہ کے خاندان تک محدود تھا اور خاندان بنی حارثہ کے زمینداروں کو آگاہ کرنے کی جتنی ممکن صورتیں تھیں ان کے اختیار کرتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ خود ان کی کھیتوں پر تشریف لے گئے اور ان کو زمینداری کے بند کرنے سے آگاہ کیا اور ان کے سربرآوردہ زمینداروں کو بلا کر زمینداری کے ردک دینے کی ہدائیت فرمائی اور جو حضراتِ صحابہ

براہِ راست اپنی زمینوں میں خود کام کرتے تھے ان کو اس امتناعی حکم سے دلچسپی لینے کی آخر وجہ کیا تھی، اور اگر انہوں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا ہے۔ تو کیونکر لازم آیا ہے۔ کہ ان کو اس ممانعت کا علم بھی نہ تھا عبداللہ ابن عمر کی جلالتِ قدر اور کثیر العلم ہونے میں اور حضور کے ساتھ رشتہ اور قرابت کے تعلقات رکھنے میں ہم کو شبہ نہیں ہے۔ مگر ابن عمر سے زیادہ عظیم القدر اور کثیر الملازمت صحابہ کے واقعات ہمارے سامنے ہیں کہ کسی کسی مسئلہ میں ان کے پاس حضور کا علم نہیں ہوتا تھا اور حدیث ان کو نہیں پہنچی تھی، مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو لیجئے آپ سفر و حضر میں حضور سے جدا نہیں ہوتے تھے۔ دن تو دن رہا راتوں کو بھی حضور کے پاس بیٹھکر مسلمانوں کے معاملات میں گفتگو کرتے تھے اور حضور کی حرم محترم عائشہ صدیقہ رضؓ ابوبکر صدیق رضؓ کی بیٹی تھی اور ان تمام خصوصیات کے باوجود ابوبکر صدیق رضؓ سے جب دادی کی میراث کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور کے احکام وراثت میں بھی تمہارے لئے مجھ کو کوئی حق معلوم نہیں ہے اور مغیرہ بن شعبہ نے حضور کی حدیث آپ کو بتائی اور محمد بن مسلمہ نے شہادت دی ہے کہ حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ (ابوداؤد ص ۴۵ ج ۲)

اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عمر ابہامہ کی پندرہ اونٹ اور وسطیٰ اور سبابہ کی دس دس اونٹ اور بنصر و خنصر کی نو اور چھ اونٹ دیت دلواتے تھے۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۹)

اور حضرت عمر کو حضور کی حدیث نہیں پہنچی تھی اور حضرت ابوموسیٰ اور حضرت ابن عباس رضؓ کے پاس حضور کی یہ حدیث موجود تھی۔ کہ ابہام

Marfat.com

وغیرہ تمام انگلیاں دیت میں برابر ہیں۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۱۸)

اور حضرت عمرؓ کا وہ فیصلہ حضرت امیر معاویہ کے عہد امارت تک قائم رہا اور امیر معاویہ کے حضور میں ایک صحابی نے حدیث بیان کی اور امیر معاویہ نے حدیث کو سنکر حضرت عمرؓ کا فیصلہ تبدیل کر دیا (رفع الملام عن ائمۃ الاعلام از حافظ ابن تیمیہؒ)

حضرت عمرؓ مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیا کرتے تھے۔ عبدالرحمان بن عوف نے انکو حدیث بیان کی کہ حضور نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ اسکے بعد حضرت فاروق نے مجوسیوں پر جزیہ مقرر فرمایا (ابوداؤد ج ۲ ص ۷۵)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خاوند کی دیت میں اس کی بیوی کو میراث نہیں ملتی ہے۔ اور ضحاک بن سفیان نے آپکو کہا کہ مجھے حضور نے لکھا ہے۔ کہ اُشیم ضبابی کی بیوی کو اس کی دیت میں وراثت کا حق دیجئے تو حضرت عمرؓ نے اپنی رائے چھوڑ دی۔ جب آپ کو حدیث پہنچی۔ (ابوداود ج ۲ ص ۵۰)

اور حضرت عمرؓ نے جنین کی دیّت کے بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا تو مغیرہ ابن شعبہ نے کہا کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک بردے کا حکم دیا غلام ہو یا لونڈی اور محمد بن مسلمہ نے اس کی شہادت دی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۰ ابوداؤد ج ۲ ص ۲۷۲)

یہ حضرت صدیقؓ اور فاروقِ اعظمؓ کے چند واقعات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کو براہِ راست ان واقعات میں حضور کی حدیث کا علم نہ تھا۔ دوسرے صحابہ کے واسطہ سے ان کو علم ہوا اور حدیث کے علم ہونے کے بعد انہوں نے اپنا عمل اور رائے کو تبدیل کر دیا اور خبر واحد کے

Marfat.com

ذریعہ ان کو حدیث پہنچی تھی تو اتنر کا نام بھی نہ تھا۔ مگر ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروقؓ خبر واحد کو بھی دین میں حجت جانتے تھے اور نیز ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور حدیث کو لکھا کرتے تھے جیسے کہ ضحاک بن سفیان کو لکھا ابن عمر کے مقابلہ پر حضرت عمر علم اور ذمہ داری میں ہر قسم کی زیادہ فضیلت رکھتے تھے۔ اگر ابن عمر کو حضرت رافع کے واسطہ سے مزارعت کی حدیث پہنچی اور براہ راست آپ کو اسکا علم نہیں ہوا تھا تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔

حضرت رافعؓ کا اجتہاد

حضرت حنظلہ ابن قیس زرقی انصاری تابعی نے حضرت رافع بن خدیجؓ صحابی سے دریافت کیا ہے۔ کہ نقدی سونے چاندی کے عوض زمین کا ٹھیکہ دینا کیسا ہے۔ تو حضرت رافع نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ اپنی زمینوں کو اجرت پر دیتے تھے اور یہ شرط لگاتے تھے کہ پانی کی نالیوں کے سرے پر اور ان کے کناروں پر کھیت کے بعض معلوم حصوں میں جو پیداوار ہوگی وہ زمین کے مالک کے لئے ہوگی۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ ایک جگہ ان کی کھیتی برباد ہو جاتی اور دوسری جگہ کی بچ جاتی اور کبھی اس جگہ کی برباد ہو جاتی اور اُس جگہ کی بچ جاتی اور اس زمانہ میں زمین کے کرایہ پر اس کے سوا کوئی دوسرا دستور نہ تھا اسلئے حضور نے اس کو سختی کے ساتھ منع فرمایا لیکن ایک متعین حصہ کے کرایہ دینے پر مزارعت کے معاملہ میں کوئی حرج

نہیں ہے۔ (بخاری ابو داؤد ص ۱۲۵ ج ۲)

بعض فضلاء نے حضرت رافع سے حضرت حنظلہ کی اس قسم کی روایات کا یہ نتیجہ نکالا ہے کہ "مزارعت کی ممانعت کا اصل مفہوم یہ ہے۔ کہ اگر مزارعت کے معاملہ میں ایک فریق کا حصہ متعیّن اور دوسرے کا مشتبہ ہو یا دونوں کا یا دونوں میں سے ایک کا حصہ محض بخت و اتفاق پر منحصر ہو جائے تو ایسی مزارعت کے معاملہ کو حضور نے منع فرمایا ہے۔ اور جہاں ایسی شرط نہ ہو تو اس کی مشروعیت میں کچھ شک نہیں ہے۔" (اور یاد رہے کہ اس تحریر میں جہاں میں نے بعض یا ایک فاضل لکھا ہے اس سے مراد مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ میرے دل میں مولانا صاحب کے علم اور دینی خدمات اور استقامت کی بڑی قدر ہے۔ مگر علمی مباحث میں ایسا تذکرہ کرنا کسی کے عیب نکالنے اور تنقیص کی علامت نہیں ہے) مولانا کے اس نتیجہ کے تسلیم کرنے میں ہمیں تامل ہے۔ اور اس کے وجوہات یہ ہیں:۔

(۱) حضرت رافع کا اپنا معاملہ بالکل سیدھا سادہ مزارعت کا معاملہ تھا کسی قسم کی شرط اس میں مذکور نہیں ہے۔ مگر حضور نے اس کو فسخ کرتے ہوئے فرمایا کہ تم نے سودی معاملہ کیا ہے۔ (ابو داؤد ص ۱۲۷ ج ۲)

(۲) حافظ ابن حزم کہتے ہیں۔ کہ یہ حضرت رافع کا اپنا اجتہاد اور فتوٰی ہے۔ وہ حضور کی حدیث مرفوع نہیں ہے۔ اور حضرت حنظلہ کے علاوہ باقی تمام حضرات نے حضرت رافع سے بغیر کسی شرط کے مطلقاً کرایہ کی ممانعت کو روایت کیا ہے۔ (محلی ابن حزم ص ۲۲۰ ج ۸)

Marfat.com

حضور کی ممانعت سے حضرت رافع نے از خود یہ سمجھا ہے۔ کہ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ مجہول شئے پر معاملہ ہوا ہے۔ اور اگر حصہ متعین ہو تو اس میں کچھ حرج نہ ہوگا۔ مگر مجہول شئے پر معاملہ کی ممانعت اور حصہ معلوم پر اس کا جواز یہ حدیث نہیں ہے بلکہ حضرت رافع کا اپنا اجتہاد ہے۔ نسائیؒ نے لکھا ہے۔ کہ حضرت رافع کے کلام میں صرف اتنا حصہ حدیث ہے۔ کہ "محاقلہ اور مزابنہ سے حضور نے منع فرمایا" باقی کلام کا حصہ حضرت سعید بن مسیّب کی طرف سے ہے امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے اس بقیہ کلام کو سعید بن مسیّب کا قول نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ص ۲۰ ج ۵)

حضرت رافع نے اگرچہ حضور کے زمانہ کا نام لیکر بیان فرمایا ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ حضور کو اس کا علم بھی ہوا تھا۔ بلکہ ظہیرؓ کے مذکورہ بیان سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کو اس سے پہلے مزارعت کے معاملہ کا علم نہیں تھا اور اگر علم ہوا بھی تھا اور حضور نے سکوت فرمایا تھا تو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضور کے سکوت میں شرعی حکم نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ شرعی حکم کا ضابطہ حضور کا قول یا فعل ہوا کرتا ہے۔ اور حضور کے ارشاد میں مطلقاً مزارعت کی ممانعت ہے۔ اس میں کسی شرط کا ذکر نہیں ہے۔

(۳) حضرت رافعؓ اگر اس شرط کا ذکر کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت کا زمیندارانہ دستور جب وہ بیان فرماتے ہیں۔ تو اس رواج کی وضاحت میں وہ اس شرط کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ان کے رواج میں تھی اس کا یہ معنی نہیں ہے۔ کہ حضور کے ارشاد میں کوئی ایسا فقرہ مذکور ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت کی ممانعت کی بنیاد

یہی شرط ہے جو حضرت رافع نے بیان فرمایا ہے۔

(۴) عمران بن سہل حضرت رافع کے پوتے نے حضرت رافع سے کہا کہ ہم نے اپنی زمین دو صد روپیہ کے عوض کرایہ پر دے دی ہے۔ تو حضرت رافع نے جواب میں فرمایا کہ اس معاملہ کو فسخ کر دو اسلئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زمین کے کرایہ سے منع فرمایا ہے (ابوداؤد ص ۱۲۷ ج ۲ اور نسائی ص ۱۵۵ ج ۲)

اور حضرت رافع کہتے ہیں۔ کہ میں نے حضور سے سنا ہے کہ زمین کو کسی شئے کے عوض کرایہ پر مت دیجئے۔ (نسائی ص ۱۵۵ ج ۲)

حضرت رافع کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور نے بغیر کسی شرط کے اور خواہ حصہ معلوم ہو یا مجہول زمین کے کرایہ کی مطلقاً ممانعت کی ہے۔ اور مذکورہ فتوای ان کا اجتہاد ہے۔ چونکہ نقدی کا رواج حضور کے زمانہ میں نہیں تھا اور حضور کے عہد میں ان کی زمینداری کے رواج میں وہ شرط رکھی جاتی تھی۔ اسلئے کبھی حضرت رافع کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ نقدی کا کرایہ جائز ہوگا اور اس شرط کے بغیر زمینداری صحیح ہوگی اور کبھی ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ حضور کے ارشاد میں مطلقاً کرایہ کی ممانعت نہیں ہے۔ اور حضور کے ارشاد میں نقدی کی استثناء اور اس شرط کے بغیر جواز کی صراحت نہیں ہے۔ اسلئے حضور کی ممانعت ان کو بھی شامل ہے۔ اور پھر اسکو منع کرتے ہیں اور اس وجہ سے حضرت رافع سے دونوں قسم کے فتاوای مذکور ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روائیت

حضرت سعدؓ فرماتے ہیں، حضور نے فرمایا کہ سونے اور چاندی کے عوض زمینوں کو کرایہ پر دے دیا کرو۔ (ابوداؤد ص ۱۲۵ ج ۲، نسائی ص ۱۳۵ ج ۲)

مزارعت کے باب میں یہی ایک روائیت ملتی ہے جس سے ایجابی طور پر نقدی مزارعت کی مشروعیت کا گمان ہو سکتا ہے۔ مگر حفاظِ حدیث نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ حافظ ابن حزم نے لکھا ہے کہ عبدالرحمان بن لبیبۃ جو ابوداؤد اور نسائی کی روائیتوں میں مذکور ہے غیر معروف ہے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون صاحب ہے اور اس کے حالات کیا ہیں (محلی ابن حزم ص ۲۲۳ ج ۸)

اور حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔ کہ محمد ابن عکرمہ سے ابراہیم بن سعد کے علاوہ اس روائیت کو دوسرا کوئی بیان نہیں کرتا ہے۔ تعجب ہے کہ ابراہیم ابن سعد کے سوا محمد ابن عکرمہ سے کسی دوسرے کو اس کا علم نہیں ہوتا ہے۔ (فتح الباری ص ۱۹ ج ۵)

اور ایک اور طریقہ سے سعد بن ابی اوقاص کی یہ روائیت مذکور ہے مگر اس میں عبدالملک بن حبیب اندلسی ایک راوی ہے اور حافظ ابن حزم نے اسکے متعلق لکھا ہے کہ روائیت کے لحاظ سے وہ مردہ ہے (محلی ص ۲۲۳ ج ۸)

اور حضرت رافع کے بیان میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔ کہ نقدی کے عوض زمین کے کرایہ کا رواج حضور کے زمانہ میں نہیں تھا۔ اور اگر حضور نے اسکا حکم دیا تھا تو اس کا عام رواج ہوتا۔ اور حضرت رافع کو اس کا علم ہونا بھی ضروری تھا۔

مشروعیّت مزارعت کی دلیل

جن حضرات کو زمینداری کی مشروعیّت کا دعوٰی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی زمین میں یہود کیساتھ نصف بٹائی پر معاملہ کیا تھا اور ان کو گمان ہوتا ہے۔ کہ خیبر میں یہود کے ساتھ حضور کا معاملہ مزارعت کا معاملہ ہے۔ اسی فاضل نے لکھا ہے :۔

یہ عہدِ نبوت و خلافت کے مشہور ترین واقعات میں سے ہے۔ اور انکی صحت میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے۔ اس میں صریح طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بٹائی پر زمین کاشت کیلئے دی ہے۔ اپنی طرف سے بھی۔ حکومت کی طرف سے بھی۔ اور ان پندرہ سو افراد کی طرف سے بھی جنکا حصّہ خیبر میں تھا۔ اس طریقہ پر آپ اپنے آخری لمحۂ حیات تک عامل رہے ہے۔ اور آپکے بعد شیخین کا عمل بھی اسی پر رہا۔ کیا اسکے بعد کسی کو یہ گمان ہو سکتا ہے۔ کہ اسلامی قانون میں بٹائی پر زمین کاشت کے لئے دینا ممنوع ہے۔ (مسئلہ ملکیت زمین ص۴۵)

اس دلیل کی بنیاد تین باتوں پر ہے (۱) خیبر کی زمین کی تقسیم حضور نے غانمین پر کی (۲) یہود کے ساتھ حضور کا معاملہ مزارعت کا تھا (۳) حضور اور غانمین خیبر کی زمین کے مالک تھے۔

ان باتوں کے سمجھنے کیلئے خیبر کے واقعہ کی قدرے تفصیل کی ضرورت ہے۔ قبل اس کے کہ یہ تفصیل آپ کے سامنے عرض کردوں یہ اصل سمجھنا ضروری ہے۔ کہ آیا زمین اموالِ منقولہ کی طرح ایسی غنیمت ہے۔ کہ جسکا تقسیم کرنا غانمین پر ضروری ہے۔ یا یہ کہ زمین مغنومہ کی تقسیم کا امام کو اختیار ہے۔ اگر امیر نے

Marfat.com

یا تو اس کو فوج پر تقسیم کر دے اور اس نے مناسب سمجھا تو مغنومہ زمین کو مفتوحہ باشندوں کے ملک میں رہنے دے اور ان پر خراج کو مقرر کر دے تاکہ اس مفتوحہ زمین کا استفادہ صرف جنگ میں شریک ہونیوالے فوجیوں کیلئے نہ رہے بلکہ موجودہ اور آنے والے عامۃ المسلمین اس کے استفادہ سے فائدہ اٹھائیں۔

غیر منقولہ غنیمت

حافظ ابن قیم ؒ لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ مغنومہ زمین ایسی غنیمت نہیں ہے جسکا تقسیم کرنا ضروری ہے۔ بلکہ امام کو اس میں اختیار ہے اگر وہ مناسب سمجھیں تو شریک جنگ فوجیوں میں اسکو تقسیم کر دیں اور اگر مناسب سمجھیں اور مصلحت کا تقاضا ہو تو اسکو وقف رکھے اور وقف کرنے کا معنی یہ ہے کہ ایک شخصی ملک اور تصرف کی بجائے عام قوم کے مال اور تصرف میں رکھے تاکہ کفار کے مقابلہ پر کام آئے اور حکومت کی قوت اور استحکام میں صرف ہو اور اس کے دلائل ابن قیم ؒ نے ذکر کئے ہیں اگر چاہو تو زاد المعاد ص ۶۹/۲ (فصل فی ہدیہ فی الارض المغنومہ) کا مطالعہ کیجئے۔ ابن قیم ؒ نے فتح مکہ پر مزید بحث کرتے ہوئے پھر اس کا اعادہ کیا ہے کہ جمہور صحابہ اور صحابہ کے بعد جمہور آئمہ نے کہا ہے۔ کہ زمین ایسی غنیمت نہیں ہے۔ کہ اس کا تقسیم کرنا ضروری ہے۔ خلفاء راشدین کا یہی عمل رہا ہے حضرت بلال اور آپ کے رفقاء نے حضرت عمرؓ سے بحث کرتے ہوئے کہا کہ آپ خمس لیکر باقی اراضی کو ہم میں تقسیم کر دیجئے مگر حضرت عمرؓ نے ان کا کہا نہیں مانا اور کہا کہ زمین ایسا مال نہیں ہے کہ

میں اسکو ضرور تقسیم کروں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے بہت ہی اچھا کیا اور محض اللہ نے آپکو یہ توفیق دی کہ آپ اس پر قائم رہے اگر آپ اسکو تقسیم کرتے تو وہ غانمین کے وارثوں کو میراث میں پہنچتی اور اس پر شخصی ملکیت قائم ہوتی اور اشخاص کو اس سے فائدہ پہنچتا اور بچے اور عورتیں اس کے مالک ہو جاتے اور مسلمانوں کو جہاد میں مال کی ضرورت پڑتی اور ان کے پاس صرف کیلئے کچھ نہ ہوتا اور بچے اور عورتیں کفار کا مقابلہ نہ کر سکتے اور اس سے حضرت عمر ڈر رہے تھے کہ اقتصادی کمزوری کی وجہ سے کفار کے مقابلہ میں کہیں مسلمان رہ نہ جائیں اور یہ مسلمانوں کیلئے اعظم فساد اور اکبر فتنہ ہے۔ اور حضرت عمر کی رائے کی یہ بڑی برکت ہے کہ اس نے عامۃ المسلمین کو اس سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ بخشا اور مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا ہے۔ کہ ان کی قوت کی حفاظت اور مالی بدحالی سے بچانے کا فاروقِ اعظمؓ نے انتظام فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضابطہ حیات میں ہمارے لئے تین مثالیں ہیں قریظہ اور بنی نضیر کی غنیمت کو حضور نے تقسیم کر دیا تھا اور مکہ کی زمین کو تقسیم نہیں فرمایا اور خیبر کے بعض کو تقسیم کر دیا تھا اور بعض کو عامۃ المسلمین کے استفادہ کیلئے محفوظ کر دیا ہے۔ (زاد المعاد ج۲ ص۲۷ افصل فیما الیاں العرب بان مکۃ فتحت عنوۃ)

ابوبکر رازی حصاص لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب عراق کو فتح کر لیا تو صحابہ نے آپ سے عراق کی زمین کی تقسیم کا مطالبہ فرمایا حضرت زبیر اور حضرت بلال ان کے آگے آگے تھے تو ان کو جواب دیتے ہوئے حضرت عمر نے فرمایا۔ اگر میں اس زمین کو آپ میں تقسیم کر دوں تو آپ کے

سوا دوسرے لوگوں کیلئے میرے پاس کچھ باقی نہیں رہیگا اور اس مغنومہ زمین میں اللہ تعالیٰ نے صرف تمہارے لئے نہیں بلکہ تمہارے بعد جو آنے والے ہیں ان کیلئے بھی حق رکھا ہے اور یہ آیت تلاوت فرمائی (اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد۔ سورۃ حشر) اور حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ سے بھی اس بارے میں مشورہ لیا تو انہوں نے بھی یہ رائے دی کہ آپ تقسیم نہ کیجئے اور اشخاص و افراد کے ملک کی بجائے اس کو عامۃ المسلمین کے ملک اور استفادہ کیلئے محفوظ کر دیں۔ اموال منقولہ کی تقسیم کے حکم سے مغنومہ زمین کی تقسیم مستثنا رہے۔ مفتوحہ زمین میں امام کو اختیار رہے۔ اگر مسلمانوں کی مصلحت اس میں ہے۔ کہ تقسیم کر دی جائے تو اس کو تقسیم کر دے اور اسکا خمس امام کیلئے ہے۔ اور اگر مناسب یہ ہے۔ کہ وہاں کے باشندوں کے پاس وہ زمین رہے تو امام اسکو تقسیم نہ کرے اور اسکو اسکے پرانے مالکوں کے پاس رہنے دے۔ اور اس پر خراج مقرر کر دے اور وہ اس کے مالک رہیں گے حضرت عمر کیساتھ تمام صحابہ نے عراق کی تقسیم نہ کرنے پر اتفاق کیا اور قرآن شریف کی آیت سے احتجاج کے بعد حضرت عمرؓ کے خلاف کوئی معترض نہیں ہوا اور اسلام کا متفقہ علیہ ضابطہ بنگیا یہ ظاہر ہوا کہ مغنومہ زمین اور جنگی قیدی غانمین کے مملوک نہیں ہوتے ہیں۔ جب تک امیر نے کسی کو ان کا مالک نہیں بنا لیا ہے۔ ورنہ ان کے ملک کے خلاف حضرت عمرؓ آیت سے استدلال نہ فرماتے اور تمام صحابہ غیر حق رائے پر حضرت عمرؓ کے ساتھ اتفاق نہ کرتے اور سہل بن ابی حشمہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کو آدھا آدھا کر دیا تھا۔ آدھا اپنی ضروریات کیلئے ملی اجتماعی مصارف کیلئے

Marfat.com

متعین فرمایا اور نصف کو مسلمانوں میں ۱۸ حصوں پر تقسیم کر دیا۔ اگر خیبر کی زمین غانمین کی ملک ہو گئی تھی تو حضور اس سے آدھا ہرگز اپنے لئے الگ نہ کرتے اسلئے کہ خیبر جنگ سے فتح ہوا تھا۔ اس میں سے حضور کو خمس لینے کا حق تھا قرآن شریف کی آیت اور صحابہ کے اجماع اور سنت سے ثابت ہوتا ہے کہ مفتوحہ زمین میں امام کو اختیار ہے۔ کہ اسکو اس کے مالکوں کے ملک میں رہنے دے اور ان پر خراج کو مقرر فرمائے (احکام القرآن جصاص ج ۳ ص ۵۲۹، ۵۳۰)

اور امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جب سواد کو فتح فرمایا تو آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا۔ عبدالرحمن بن عوفؓ کی رائے تھی کہ اس کو تقسیم کر دیا جائے۔ اور بلال بن رباح کی بھی یہی رائے تھی اور اصرار کیساتھ تقسیم کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے یہ تھی کہ اسکو غانمین میں تقسیم نہ کریں بلکہ اسکو محفوظ رکھیں اور عامۃ المسلمین کے کام میں آئے۔ اور کئی دن یہ بحث جاری رہی آخر ایک دن حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرے پاس قرآن شریف کی آیت دلیل ہے کہ میں اس کو تقسیم نہ کروں۔ اور سورۃ حشر کی آیات تلاوت فرمائیں تمام صحابہ نے اتفاق کر لیا اور ان کی رائیں ان کے ملک میں چھوڑ دی گئیں اور زمین میں خراج اور رؤس پر جزیہ مقرر فرمایا (کتاب الخراج ص ۳۵) اور اور کتاب الخراج کے صفحہ ۳۶ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت علیؓ نے کہا کہ اس کو مسلمانوں کیلئے خزانہ بنا دیں۔ اور کتاب الخراج کے صفحہ ۶۰ میں لکھا ہے۔ کہ حضور نے مکہ فتح کیا اور غانمین میں اس کے املاک کو تقسیم نہیں فرمایا اور بنی قریظہ اور بنی نضیر (جنکے اموال جنگ کے بغیر مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور وہ خالص حضور کے اختیار اور تصرف میں رہے اور مسلمان کا خزانہ بنکر

Marfat.com

عام مصارف میں صرف ہونے رہتے) اُن کے اموال کو حضور نے غانمین میں تقسیم نہیں کیا اور خیبر کی زمین کو حضور نے تقسیم کر دیا تھا۔ امام کو مفتوحہ زمین کی تقسیم کرنے اور نہ کرنے میں اختیار ہے حضرت عمرؓ نے شام مصر وغیرہ ممالک فتح کئے مگر ان کو موجودہ مسلمانوں اور آنے والے مسلمانوں کے مفاد کیلئے محفوظ کر دیا تھا۔ تاکہ ملک اور قوم کو اقتصادی بدحالیوں کا شکار نہ ہونا پڑے۔ کتاب اور سنت صحابہ اور فقہاء کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مفتوحہ زمین غنیمت ضرور ہے۔ مگر فوجیوں کو جو اس جنگ میں شریک تھے اس کا مالک بنانا امام کے اختیار میں ہے۔ اگر اُس نے چاہا تو ان کو مالک بنا دے اور اگر امام نے چاہا تو پُرانے مالک اس پر قابض رہیں گے اور ان سے خراج لیا جائیگا اور نیز اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آگئی کہ مفتوحہ زمین سے غنیمت ہونے کے باوجود غانمین کو اس پر ملک اور قبضہ سے روکا جا سکتا ہے۔ یعنی زمین غنیمت کے قانون میں مال غنیمت ہے۔ مگر ملک اور تصرف کے ضابطہ میں غانمین کی بجائے مفتوحہ باشندوں کا اس پر ملک قائم کر دیا گیا۔ اسی طرح قانون وراثت میں سینکڑوں اور ہزاروں ایکڑ رقبہ ایک شخص کے ملک میں آسکتا ہے۔ مگر زراعت کے قانون میں ایک محدود رقبہ کے سوا جو اس کی معاشی ضروریات سے زائد اور اس کی محنت و عمل کے دائرہ سے باہر ہے۔ ایک زمیندار کو اس سے استفادہ کرنے سے روکا جائیگا اسی طرح بیع و شراء کے قانون میں ایک آدمی جسقدر چاہے زمین کا رقبہ خرید سکتا ہے۔ مگر زراعت کے ضابطہ میں ایک محدود رقبہ سے اسکو استفادہ کرنے کا حق دیا جائیگا۔ زراعت کے قانون نے اس کے اس ملک کو ضائع

نہیں کیا ہے جو بیع و شراء کے قانون اور وراثت نے اسکو دیا تھا۔ بلکہ قانون مزارعت نے اس کے استفادہ کے حق کو محدود رقبہ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔

تعجب ہوتا ہے کہ ایک نامور فاضل کو قانون مزارعت اور قانون وراثت اور قانونِ بیع و شراء میں کیوں صریح تناقض نظر آتا ہے۔ آپ سوچ لیجئے کہ صحابہ کے اس مجمع میں زیر بحث مسئلہ پر حضرت معاذؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ امیر المومنین آپ وسیع پیمانہ پر ایسی تدبیر کیجئے کہ موجودہ اور آنے والے مسلمانوں کیلئے یہ مفتوحہ زمین مشترک اور برابر کی دولت رہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۱۷۱)

اور حضرت علیؓ نے کہا تھا کہ اسکو قومی دولت بنائیے اور حضرت عمرؓ نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ اگر ایسے آنے والے لوگوں کا خیال مجھے نہ ہوتا اور وہ سب کے سب برابر کے غریب ہونگے تو جس بستی کو میں فتح کرتا اس کو تقسیم کرتا جیسے کہ حضورؐ نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا میں اس مفتوحہ زمین کو قومی خزانہ بنا کر چھوڑنا چاہتا ہوں۔ (بخاری ص ۶۰۶ غزوہ خیبر)

اور حضرت زبیرؓ اور عبد الرحمن ابن عوفؓ اور بلالؓ تقسیم کے مطالبہ پر اصرار فرما رہے تھے مگر حضرت عمرؓ نے جب قرآن شریف کی آیت پڑھ کر سنائی اور قرآن شریف کا مطلب کھول کر واضح کر دیا تو پھر ان کے خلاف کسی کی آواز نہیں اٹھی اور تمام صحابہ نے اسکو تسلیم کر لیا۔ جسکے لئے حضرت عمرؓ قرآن شریف کی آیت استدلال میں پڑھ کر سنا رہے تھے کیا آپ گمان کر سکتے ہیں۔ کہ جس حقیقت قرآنی پر صحابہ کا اتفاق ہو رہا ہے۔ کہ مفتوحہ زمین کو عامۃ المسلمین کا خزانہ بنانا چاہیے۔ آیا حضورؐ نے خیبر کی زمین کو تقسیم

وافراد کے ملک میں دے کر قرآن شریف کے اس حقیقت واقعی کو دانستہ نظر انداز کر دیا تھا؟ اگر حضور نے خیبر کی مفتوحہ زمین کو اشخاص و افراد میں تقسیم کر دیا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرآن شریف کا منشا کچھ اور تھا جسکو حضرت عمرؓ اور صحابہ نے سمجھا تھا۔ مگر استغفراللہ حضور اس سے الگ ہو گئے تھے۔

خیبر کی تقسیم

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اگر مجھے بعد میں آنیوالوں مسلمانوں کی رعایت منظور نہ ہوتی تو میں ہر مفتوحہ بستی کو تقسیم کرتا جیسے کہ حضور نے خیبر کو غانمین میں تقسیم کر دیا تھا۔ (ابو داؤد ص ۱۷ ج ۲ بخاری) حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے کہ بعض خیبر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غانمین میں تقسیم کر دیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ کی یہ مراد نہیں کہ حضور نے سارا خیبر غانمین میں تقسیم کیا تھا۔

بشیر بن یسار فرماتے ہیں۔ کہ مجھے کئی ایک صحابہ نے کہا کہ حضور نے خیبر کے ۳۶ حصّے کر دیئے تھے اور ۳۶ حصّوں میں سے ۱۸ حصّے حضور نے غانمین کو دیئے اور ان میں حضور کا حصّہ بھی تھا اور باقی ۱۸ حصّہ وفود اور دوسرے امور کیلئے اور عام مسلمانوں کی ضروریات کیلئے محفوظ کر دیا تھا۔ (ابو داؤد ص ۲۷ ج ۲)

سہل ابن ابی حثمہ فرماتے ہیں۔ کہ حضور نے خیبر کی زمین کو آدھا آدھا کر لیا تھا نصف غانمین اور حضور کیلئے تھا اور دوسرا آدھا عام ملّی حاجات اور ضروریات کیلئے تھا۔ (ابو داؤد ص ۶۹ ج ۲ ۔ احکام القرآن ص ۵۳۱ ج ۳)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد ابو بکر رازیؒ لکھتے ہیں۔ اگر غانمین خیبر کی زمین کے مالک ہوتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس میں سے

Marfat.com

آدھا حصّہ اپنے لئے الگ نہ کرتے۔ اسلئے کہ خیبر جنگ سے فتح ہوا تھا اور وہ سب حضور کے اختیار میں نہ ہوتا۔ اور حافظ ابنِ قیمؒ کہتے ہیں اگر خیبر کی زمین غنیمت کے حکم میں ہوتی اور غنیمت کی بابت غانمین اس کے مالک ہو گئے ہوتے تو حضور اس میں خمس لیکر باقی تمام اراضی کو غانمین میں تقسیم فرماتے مگر سُنن اور مستدرک حدیث کی کتابوں میں ثابت ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی زمین کو ۳۶ حصّوں میں بانٹا تھا اور ۱۸ حصّہ غانمین کو دیئے تھے اور حضور کا حصّہ بھی اس میں تھا اور باقی ۱۸ حصّوں کو وفود کے مصارف اور دیگر ضروریات اور عامۃ الناس کی حاجات کیلئے الگ کر دیا تھا۔ (زاد المعاد ج۲ ص۹)

اور حافظ ابنِ حجرؒ فرماتے ہیں۔ کہ حضرت عمرؓ کی مراد یہ ہے۔ کہ حضور نے بعض خیبر کو تقسیم کر دیا تھا اور طحاویؒ نے بھی یہ کہا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بشیر بن یسار کہتے ہیں کہ حضور نے خیبر کا آدھا غانمین میں تقسیم کر دیا تھا اور دوسرا آدھا ملّی ضروریات کیلئے الگ کر دیا تھا (فتح الباری ج۶ ص۱۷۱)

ابنِ اسحاق کہتے ہیں۔ کہ حضور نے خیبر میں سب سے پہلے ناعم کا قلعہ فتح کیا تھا اور سب کے آخر میں وطیح اور سلالم کے قلعے فتح کئے گئے تھے۔ اور حضور نے خیبر کے دو ٹکڑے کر دیئے شق اور نطاۃ ایک ٹکڑا تھا اور اس کے ۱۸ حصے تھے اور ہر ایک حصّہ میں ایک سو سہام تھے۔ اور ہر سو سہام کا ایک رأس تھا اور یہ ٹکڑا غانمین کو دیا گیا تھا اور اس میں عاصم بن عدی ایک رأس تھے اور اس کے رأس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حصّہ تھا اور غانمین کے سوا بھی حضور نے خیبر سے دوسرے حضرات صحابہ کو کچھ دیا ہے۔ (سیرۃ ابنِ ہشام۔ ابوداؤد۔ بخاری)

Marfat.com

خیبر کی تقسیم کی تفصیل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ غانمین اس کے مالک نہیں تھے ورنہ ان کا ملک تمام خیبر پر قائم ہونا چاہیئے تھا اور خیبر کا آدھا حضور ان سے الگ نہ کرتے اور خیبر کے پورے آدھے پر حضور کا ملک آخر کیونکر قائم کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ حضور کا حاکمانہ اختیار تھا اور جس طرح آپ نے چاہا تھا اس طرح آپ نے خیبر میں حاکمانہ تصرف کیا ہے۔ اور حضور کے اس حاکمانہ شان کے انتظامی اختیارات کو صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ نے اپنی شانِ نیابت اور حاکمانہ حیثیت میں خیبر کی زمین پر حضور کے دستور کو قائم رکھا تھا ورنہ ایسا بھی کوئی مالک ہوتا ہے؟ کہ اس کو اپنے ملک کا قبضہ اور اپنے املاک پر تصرف کرنا نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ حکومت کے دستور میں اسکے لئے الگ ایک انتظامیہ شعبہ قائم کیا گیا ہے۔ کیا خیبر کی زمین کورٹ آف وارڈز تو نہیں تھی کہ صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروقؓ کے انتظام میں دی گئی تھی اور اس کے مالک اس میں اختیار اور تصرف کا حق نہیں رکھتے تھے۔ خیبر کی زمین میں اربابِ سہام نے کبھی مالکانہ تصرف نہیں کیا ہے۔ بلکہ وہ ہمیشہ حکومت کے تصرف میں رہی ہے۔ اور حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے سہام کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر ان کو حضرت عمرؓ نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ حضور کا تصرف اس میں رہا۔ صدیق اکبرؓ کا بھی اس پر تصرف رہا۔ اور اب دو سال سے وہ میرے تصرف میں ہے۔ اور ہمیشہ حکومت کے تصرف میں رہیگی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ خیبر کا رقبہ نہیں تقسیم کیا گیا تھا بلکہ خیبر کے پیداوار کی حصہ دارانہ تقسیم کی گئی تھی۔ جیسے کہ ابن قیم نے لکھا ہے۔ اور ابن عمر فرماتے ہیں کہ خیبر کی کھجوریں حصوں کے مطابق تقسیم کئے جاتے تھے۔ (ابو داؤد ص ۶۹ ج ۲) ایسے واقعات کے ہوتے ہوئے گمان کیا جا سکتا ہے کہ خیبر کی زمین اربابِ سہام کے ملک میں دے دی گئی تھی۔

Marfat.com

خیبر میں یہود کی حیثیت

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حضور نے وطیح اور سلالم کے قلعوں میں یہود کو محصور کر دیا تھا اور یہود کو جب کوئی چارہ نہیں نظر آیا تو حضور سے کہنے لگے کہ ہمیں امن دیا جائے اور ہم یہاں سے چلے جائیں گے حضور نے ان کا کہا مان لیا اور وہ قلعوں سے باہر آگئے اور کہا کہ ہمارے ساتھ ہماری زمینوں کی نصف پیداوار پر فیصلہ کر لیجئے اور ہم یہاں رہینگے اور ہم زمینوں کا کام خوب جانتے ہیں حضور نے یہود سے نصف پیداوار پر صلح کر لی اور شرط لگائی کہ جب ہم چاہینگے تمہیں یہاں سے نکال دینگے (سیرۃ ابن ہشام ص ۳۸۹ ج ۳ [illegible] ابوداؤد و [illegible] زاد المعاد ص ۱۳۶ ج ۲) اور ابن قیمؒ نے اس صلح کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس صلح میں یہ شرط نہیں تھی کہ زمین یہود کے لئے رہیگی اور نیز اس میں یہ بھی شرط نہ تھی کہ خیبر کی زمین کے مالک مسلمان ہونگے (زاد المعاد ص ۱۳۷ ج ۲) اور ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ خیبر کے یہود اہل ذمہ تھے ان کو امان دیا گیا تھا اور [illegible] ذمت مشروع نہیں تھا اسلئے ان پر جزیہ نہیں رکھا گیا۔ خیبر [illegible] کے بغیر اہل ذمہ تھے۔ (زاد المعاد ص ۱۴۴ ج ۲)

ابن قیم کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہود سے [illegible] مصالحت کی کہ جبتک حضور چاہینگے وہ خیبر میں رہیں گے اور جزیہ کا حکم [illegible] نازل نہیں ہوا تھا کہ حضور کا ان سے صلح کا عقد ہو رہا تھا اور جزیہ کے حکم آنے کے بعد حضور نے ان پر جزیہ مقرر نہیں فرمایا۔ اسلئے کہ ان سے اس سے پہلے عقد کیا گیا تھا کہ وہ خیبر میں رہینگے اور زمینوں کی پیداوار کا آدھا حصہ حضور کو ادا کرینگے اور اس کے علاوہ ان سے اور کچھ مطالبہ نہیں کیا گیا تھا

اور حضرت عمرؓ نے جب ان کو خیبر سے نکالا تو وہ عقدِ سابق باقی نہیں رہا تھا اسلئے حضرت عمر نے ان پر جزیہ مقرر فرمایا۔ (زاد المعاد ص ۷۹ ج ۲)

یہود کی حیثیت خیبر میں یہ تھی کہ وہ حضور کے اہلِ ذمہ تھے اور ان سے صلح کا عقد کیا گیا تھا اور ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ حضور کو پیداوار کا نصف ادا کرینگے اور یہود نے از خود اسکو پیش کیا تھا اور وہ برابر حضرت عمر کی خلافت کے دنوں تک اس پر قائم رہے اور حکومت کو اپنی پیداوار پیش کرتے رہے ہیں اور ابو بکر رازیؒ کہتے ہیں کہ خیبر کے یہود سے انکی زمینوں کی نصف پیداوار پر معاملہ کرنا جزیہ کا سا معاملہ ثابت ہوتا ہے۔ اور ان کی زمینوں کا خراج ان کے رؤس کے خراج کو شامل اور متضمن رہا ہے۔ اسلئے جزیہ کی مشروعیت کے بعد بھی حضور نے ان سے الگ اور مستقل جزیہ نہیں لیا ہے اور صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ نے بھی ان سے جزیہ کا مطالبہ نہیں کیا اور جب فاروقِ اعظمؓ نے خیبر کے یہود کو اریحاء اور تیماء میں بسایا تو خیبر کی زمینوں کی پیداوار حکومت کو دینے کے لئے ان کے پاس نہیں رہی اسلئے حضرت عمرؓ نے ان پر جزیہ رکھا اور ابو بکر رازیؒ کی یہ بات بہت ہی لطیف اور قرینِ قیاس ہے۔ اسلئے کہ قرآن شریف کی آیت جزیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب جب جزیہ دینے کا عہد و پیماں کرلیں تو ان کے قتال سے اسوقت رُکنا چاہیئے۔ جیسا کہ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ میں طُہر کے وجود تک اباحتِ قُرب منع ہے۔ اور طُہر کے وجود کے بعد اباحتِ قُرب قائم ہے۔ اسی طرح عقدِ ذمہ کے بعد قرآن شریف نے اہلِ کتاب سے لڑنے کو منع فرمایا ہے۔ اور ان کے اس عقدِ ذمہ کا معاوضہ یہ رکھا ہے کہ وہ حکومت کو جزیہ ادا کریں گے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس کی یہ تفصیل کی ہے کہ

جب اہل کتاب نے مسلمانوں کے ملک میں اسلام کے حکم برادر مسلمانوں کی ذمہ داری میں رہنا پسند کر لیا ہے۔ تو ان کو لازم ہے۔ کہ مسلمانوں کی ذمہ داری کا وہ مسلمانوں کو معاوضہ ادا کرینگے اور اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی حکومت کی ذمہ داری اور دارالاسلام میں کفر پہ قائم رہنے کی یہ عقوبت ہے اور ان سے جزیہ لیکر اسلام نے ان کو توبہ کرنے اور ایمان لانیکا موقعہ دیا ہے۔ اور قرآن شریف نے ان کو دعوت دی ہے کہ وہ مسلمانوں میں رہکر مسلمانوں کا تقوٰی اور اخلاص و طہارت اور ان کی اخوۃ و احسان باہمی کو دیکھ سکتے ہیں اور اسلام کے محاسن اور معارف کو دریافت کر سکتے ہیں اور اس سے وہ اسلام کے قریب آسکتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح خیبر میں خیبر کے یہود کی حیثیت تھی۔ وہ اہل ذمہ تھے اور حضور کی حکومت کی ذمہ داری کا معاوضہ یہود پہ لازم تھا اور ذمہ داری کے معاوضہ کی حقیقت جزیہ ہے۔ خواہ نقدی کی شکل میں ہو یا جنس کی شکل میں ہو۔ ورنہ قرآن شریف کے جزیہ لینے کے حکم کے بعد ضروری تھا کہ حضور ان سے مستقل جزیہ کا مطالبہ کرتے اور ان سے جزیہ لیا جاتا۔

یہود سے وصولی کا انتظام

ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ خیبر کے یہود کے ساتھ نصف پیداوار پہ فیصلہ کیا گیا تھا۔ اور ان سے جب وصولی کا وقت آتا تھا تو عبداللہ ابن رواحہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہود سے پیداوار وصول کرنے کیلئے خیبر بھیجا کرتے تھے۔ (ابو داؤد ص ۱۲۸ ج ۲)

اور ابن ہشام نے لکھا ہے کہ موتہ کی لڑائی میں جب عبداللہ

Marfat.com

ابنِ رواحہ شہید ہو گئے تو جبار ابن صخر اس کام پر مامور کئے گئے تھے۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۳۵۴) اور امام یوسف نے کتاب الخراج ص ۵۱ میں اسی طرح لکھا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کو حضور نے مقرر فرمایا تھا اور اسیطرح حافظ ابنِ قیم نے زاد المعاد میں لکھا ہے۔ حضور کی سرکاری نگرانی اور حاکمانہ انتظام میں خیبر کی پیداوار وصول کی جاتی تھی۔ اور اسی طرح صدیق اکبر رض اور فاروقِ اعظم رض کے زمانہ میں ہوتا رہا ہے کیا حضور کی ذمہ داری یہ بھی تھی کہ مسلمان زمینداروں کی پیداوار کو ناظر اور مختار کی حیثیت میں وصول کرتے اور استغفراللہ یہ بھی حضور کا وظیفہ تھا کہ مسلمانوں کے املاک کی نگرانی کرتے رہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے۔ کہ سرکاری انتظام میں خیبر کی پیداوار کی نگرانی اور وصولی کا اہتمام اس لئے تھا کہ حضور کے امیرانہ وظائف میں یہ بھی شامل ہے۔ کہ حاکمانہ حیثیت کے حقوق کی نگرانی اور حکومت کی حقوق کے وصول کرنے کا انتظام فرمائینگے خیبر کی پیداوار حکومت کی سرکاری مالگذاری تھی اسلیئے وہ حکومت کے انتظام میں وصول کی جاتی تھی وہ بیت المال کی دولت تھی اسلئے حضور نے اس کے وصول کرنے کا اہتمام فرمایا تھا۔

شمس الائمہ سرخسی رح کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رح فرماتے ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کے یہودیوں کے نخلستانوں اور زرعی زمینوں کی نصف پیداوار کے مقرر کرنے میں احسان فرمایا اور یہ خیبر پر خراج مقاسمہ یعنی جنسی لگان ہے۔ اور امام کو حق ہے۔ کہ ایسی زمینوں پر اگر چاہے نقدی لگان کو مقرر کردے یا خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا کچھ حصہ لگا دے (مبسوط ج ۳ ص ۲۳۶)

Marfat.com

اور علاء الدین بن ابی بکر کاسانی رح کہتے ہیں خراج مقاسمہ یعنی جنسی ٹیکس یہ ہے کہ امام مفتوحہ زمین کو بدستوران کے مالکوں پر احسان کرتے ہوئے ان کے پاس رہنے دے اور ان کی زمینوں پر خراج مقاسمہ یعنی جنسی لگا کر مقرر فرمائے جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خیبر کی زمین میں خیبر کے یہودیوں پر مقرر فرمایا تھا (بدائع ضائع ج ۲ ص ۶۳)

اسی طرح ہدایہ آخرین کتاب المزارعت میں لکھا ہے۔ کہ خیبر میں نصف پیداوار کا معاملہ خراجِ مقاسمہ کا معاملہ ہے یعنی حکومت کی جنسی مالگذاری ہے۔ حکومت سرکاری مالگذاری خواہ نقدی کی صورت میں ہو یا جنس کی شکل میں امیروں سے لیکر غریبوں پر تقسیم کرنے اور مسلمانوں کے اجتماعی مفاد میں صرف کرنے کیلئے وصول کرتی ہے۔ اور زمینداروں کی آمدنی ان کے عیش و آرام اور شخصی تزک و احتشام میں خرچ کرنے کیلئے کاشتکاروں سے وصول کی جاتی ہے۔ خراجِ مقاسمہ کو نظیر بنا کر زمینداروں کو ان کی زمینوں کی پیداوار میں ان کے کاشتکاروں سے نصف وغیرہ کا حق دلانا کہاں کا منصفانہ ضابطہ ہے شمس الآئمہ سرخسی رح کہتے ہیں حکومت کے خراجِ مقاسمہ پر مسلمانوں کے باہمی معاملات کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے یعنی مسلمان کاشتکاروں کو زمین کا مالک اپنی زمین دیکر اسی طرح پیداوار کا کچھ حصہ وصول کرے جسطرح کہ خیبر کے کاشتکاروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول کیا تھا یعنی حضور کے خراجِ مقاسمہ سے یہ استدلال کرنا کہ زمینداروں کے لئے ایسا معاملہ جائز ہے۔ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ (مبسوط ج ۲۳ ص ۲)

حضرت فاروقِ اعظم رض کی خلافت کے دنوں میں بھی یہود کی شرارتوں

Marfat.com

اور مخالفانہ منصوبوں سے اسلام کا مرکز محفوظ نہیں رہتا تھا۔ یہود کا رویہ معاندانہ رہا یہاں تک کہ مسلمانوں کو تکلیف دینے سے بھی وہ دریغ نہیں کرتے تھے۔ کئی ایک صحابہ کو تکلیف دی اور ابنِ عمرؓ اپنا مال لینے کیلئے خیبر تشریف لیگئے تھے۔ اور رات کو سوتے ہوئے یہود نے آپ پر حملہ کیا اور آپ کے ہاتھ پاؤں کے جوڑ توڑ دیئے اور حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہود کے سوا خیبر میں مسلمانوں کا دوسرا کوئی دشمن نہیں ہے۔ یہود ہمارے دشمن ہیں اور ان پر ہمارا دعوی ہے۔ اگرچہ حضرت عمر نے کسی کو سزا نہیں دی کہ رات کا وقت تھا۔ اور ابنِ عمرؓ نے کسی کو پہچانا نہیں تھا اور مجرم کا سراغ نہیں لگا۔ مگر یہود کو خیبر سے حضرت عمرؓ نے نکالنا چاہا اور خیبر سے نکال کر اریحا اور تیماء میں بسا دیا (بخاری کتاب المزارعت وکتاب الشروط)

اور یحییٰ بن سعیدؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اہل تجران اور اہل خیبر کو ان کے علاقوں سے نکالا اور ان کی زمینوں اور اموال کی قیمت دے کر ان سے خرید لیا۔ اور یعلیٰ بن امیہ کو خیبر وغیرہ کی زمینوں کے انتظام پر حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا (فتح الباری ص ۹ ج ۵)

اب بھی کسی شک اور شبہ کی گنجائش ہے۔ کہ خیبر کا معاملہ مالک اور مزارع کا معاملہ نہیں ہے بلکہ جنسی لگان اور سرکاری مالگذاری کا معاملہ ہے۔ یہود خیبر کے مالک تھے اسلئے حضرت عمرؓ نے ان کو قیمت دے کر ان کی زمین خرید لی۔ خیبر کے معاملہ میں جو حکومت کی مالگذاری کا معاملہ ہے مالک اور مزارع کے معاملہ مزارعت کی مشروعیت کے لئے قطعاً اس میں استدلال کی گنجائش نہیں ہے۔

امام بخاریؒ کا استدلال

بخاریؒ اجارہ اور مزارعت اور خراجِ مقاسمہ میں فرق نہیں کرتے ہیں ۔
اجارہ کے باب میں بخاریؒ نے یہ عنوان رکھا ہے ۔ کہ موجر یا مستاجر میں سے
اگر کوئی فوت ہو جائے ۔ اور اس کے جواب میں بخاری نے خیبر کا معاملہ
نقل فرمایا ہے ۔ اور غرض یہ ہے کہ حضور کے بعد بھی ابو بکر صدیقؓ اور فاروقِ
اعظمؓ نے اجارہ کے عقد کو تجدید نہیں کیا تھا ۔ اور مزارعت بالشطر کے باب میں
بھی خیبر کا معاملہ نقل فرمایا ہے ۔ کہ حضور نے بٹائی کا معاملہ کیا تھا ۔ اور مزارعت
بالشطر کے باب میں وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ کہکر حضرت عمرؓ کے معاملہ سے بھی
بخاریؒ نے مزارعت کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے حالانکہ اس معاملہ میں
حضرت عمرؓ مالک نہیں تھے بلکہ آپ اور آپ کی رعایا کے درمیان خراجِ مقاسمہ
کا معاملہ تھا اور بخاری کی غرض صرف اتنی ہے ۔ کہ زمین کے بیچ ادھا
معاملہ کیا جا سکتا ہے خواہ عقدِ اجارہ ہو یا خراجِ مقاسمہ کا معاملہ حضرت شیخنا
وسندنا مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ بخاریؒ کو تیسری کی پوری تفصیل
واضح نہیں ہوتی ہے ۔ کبھی اسکو اجارہ خیال کرتے ہیں اور کبھی اس کو
مزارعت جانتے ہیں اور مزارعت اور خراجِ مقاسمہ میں تمیز نہیں کرتے
حالانکہ اجارہ میں عقد کی مقدار معین ہوتی ہے اور مزارعت میں مقدار کا
تعین نہیں ہوتا ہے ۔ اور مزارعت میں مِلک ہوتا ہے اور خراجِ مقاسمہ
میں حاکمانہ حیثیت ہوتی ہے ۔ مگر بخاریؒ حدیث و روایت میں جس قدر
بلند مقام رکھتے ہیں اس درجہ وہ فقہ میں اونچے نہیں ہیں ورنہ مزارعت
اور خراجِ مقاسمہ کا فرق ظاہر ہے ۔ اور مزارعت کی مشروعیت اور مزارعت

میں میعاد کی عدم تعین کے جواز کیلئے خراجِ مقاسمہ سے استدلال کرنے کی گنجائش ہے۔ (فیض الباری ص ۳۰۱ ج ۳)

فقہاء کا نظریہ یہی ہے کہ زمینداری اور خراجِ مقاسمہ دونوں الگ الگ مسائل ہیں جیسے شمس الائمہ نے کہا کہ سرکاری مالگذاری پر مسلمانوں کے باہمی معاملات کا یعنی مالک اور مزارع کا معاملہ قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

مشروعیّت مزارعت کی دوسری دلیل

ایک فاضلؒ بخاری کی کتاب باب المزارعہ بالشطر کا حوالہ دیکر لکھتے ہیں

"کہ قیس ابن مسلم ابوجعفر امام محمد باقرؒ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ مدینہ میں مہاجرین کے تمام گھرانے بٹائی کا معاملہ کرتے تھے اور حضرت علی سعد بن مالک عبداللہ ابنِ مسعود۔ عمر ابن عبدالعزیز قاسم ابن محمد حضرت عروہ آل ابی بکر آلِ عمر ابن سیرین مزارعت کا معاملہ کرتے رہے ہیں اور حضرت عمر لوگوں سے اس طرح معاملہ کیا کرتے تھے کہ اگر عمر اپنے پاس سے بیج دے گا۔ تو آدھی پیداوار لے گا اور اگر کاشتکار اپنا بیج لائیگے تو ان کا حصہ اتنا ہوگا (بخاری ص ۳۱۳ ج ۱) ان شواہد و نظائر سے ثابت ہوتا ہے کہ مزارعت کا طریقہ عہد نبوّت اور خلافت راشدہ میں بالعموم رائج تھا اور صحابہ کے تمام زراعت پیشہ گھرانے اس پر عامل تھے"۔

مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ مشروعیّت مزارعت کیلئے کتاب اور سنّت میں کوئی ایجابی دلیل نہیں ملتی ہے تو اب اسے کیا کہیے کہ حکومت کی طرف سے کاشتکاروں کے ساتھ جو جنسی لگان کا معاملہ کیا گیا ہے۔ اس کو نظیر بنا کر جس پر کسی حیثیّت سے مزارعت کا قیاس

Marfat.com

کرنا صحیح نہیں ہے۔ زمینداروں کو بٹائی لینے کی اجازت حاصل کی جاتی ہے۔ اور یا بعض صحابہ اور تابعین کا عمل پیش کیا جاتا ہے۔ جس میں کوئی تصریح نہیں ہے۔ کہ انہوں نے مزارعت کا ایسا معاملہ کیا ہے۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں زمینداروں میں رائج اور معمول ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف بخاری کے مذکورہ بیان میں جسکو اس فاضل نے ذکر نہیں کیا ہے۔ حسن بصری اور زہری کا قول اس طرح مذکور ہے۔ کہ بٹائی کی ایسی صورت میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اگر زمین ایک کی طرف سے ہے۔ اور خرچ دونوں کا برابر ہے اور پیداوار میں دونوں شریک رہیں اور ابن سیرین کا قول بخاری میں مبہم ہے اور نسائی میں مفصل مذکور ہے ابن سیرینؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ کہ اگر ایک کاشتکار کو اس شرط پر کاشت کیلئے زمین دیدی جائے کہ کاشتکار اور اس کے بچے اس میں کام کرینگے اور بیل ہل کا انتظام بھی مزارع کریگا۔ مگر کاشتکاری کے تمام مصارف تخم و آبپاشی کی ذمہ داری زمین کے مالک پر ہوگی۔ (نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۰)

حسن بصریؒ ابن شہاب زہریؒ اور ابن سیرین کے نظریہ کی تفصیل سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے مشترکہ کاشت کی اجازت دی ہے۔ ان حضرات نے مزارعت کی جس شکل کی اجازت دی ہے۔ وہ زمینداری کا رائج طریقہ نہیں ہے۔ زمیندار اپنی زمین سے صرف استفادہ کرنے کا معاوضہ کاشتکار سے بٹائی کے نام پر وصول کرتا ہے۔ محنت و عمل کے علاوہ مصارف کا کوئی بوجھ بھی زمیندار پر نہیں ہوتا ہے۔ قاسم ابن محمد سے زمین کے کرایہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے جواب میں کہا کہ رافع ابن خدیج فرماتے ہیں کہ حضور نے زمین کے کرایہ سے منع فرمایا ہے (نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۲)

Marfat.com

حضرت قاسم نے دوسروں کو حضور کے منع کرنے پر مزارعت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے۔ کہ خود مزارعت کا معاملہ کرتے رہے اور بخاری اور ابوداؤد میں ہے۔ کہ حضرت رافع نے جب ابن عمر کو بتایا ہے کہ حضور نے منع فرمایا ہے تو وہ مزارعت کرنے سے رُک گئے (ابوداؤد ج۲ ص۱۲۶ بخاری ج۱ ص۳۱۳)

کیا یہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کہ ابن عمر نے مزارعت کو منع کرنیکے بعد پھر مزارعت کو شروع کر دیا تھا۔ بخاری نے ان دونوں کا ذکر ضرور کیا ہے کہ وہ مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ مگر اس میں یہ تفصیل نہیں ہے۔ کہ حضور کی ممانعت کرنے کے معلوم ہونے کے بعد بھی انہوں نے مزارعت کا معاملہ کیا تھا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ انہوں نے مشترکہ کاشت کا معاملہ کیا ہے جیسے کہ ابن سیرینؒ۔ زہریؒ۔ حسن بصریؒ کے بیان میں مذکور ہے۔ بخاری کے اس بیان میں عمر ابن عبدالعزیز کا بھی ذکر ہے۔ کہ وہ مزارعت کا معاملہ کرتے رہے۔ مگر اس کی تفصیل یہ ہے۔ ابن ابی شیبہ اور یحییٰ بن آدم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے عامل عدی بن ارطاۃ کو کہا تھا کہ بیت المال کی زمینوں کو نصف پیداوار یا ثلث۔ کے پیداوار یا دسویں حصے کی پیداوار تک کاشت کے لئے دیا کیجئے اور اس کے لئے بھی اگر کوئی تیار نہیں ہوتا ہے۔ تو سرکاری خرچ سے ان کی آباد کاری کا انتظام کر دیجئے (فتح الباری ج۵ ص)

عمر بن عبدالعزیز کا یہ معاملہ مزارعت کا معاملہ نہیں ہے۔ بلکہ سرکاری مالگذاری کا معاملہ ہے۔ اور بخاریؒ نے حضرت عمر کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ آپ مزارعت کا معاملہ کرتے رہے مگر اس کی تفصیل بھی وہی ہے کہ وہ سرکاری مالگذاری کا معاملہ تھا اور حکومت کا انتظامیہ معاملہ تھا اور سرکاری زمینوں

Marfat.com

کا معاملہ تھا۔ (فتح الباری ص ۹ ج ۵)

اور اسی طرح کا معاملہ حضرت معاذؓ کا ہے کہ وہ یمن کے والی کی حیثیت سے خراجِ مقاسمہ کا معاملہ کرتے رہے۔ حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ ان حضرات کے واقعات کے نقل کرنے سے بخاریؒ کی غرض صرف اتنی ہے کہ ان حضرات نے پیداوار پر سرکاری مالگذاری کا معاملہ کیا تھا (فتح الباری ص ۹ ج ۵)

بخاریؒ نے جن دوسرے صحابہ کا ذکر کیا ہے کہ وہ مزارعت کا معاملہ کرتے رہے ہیں لیکن صحابہ نے حضور کی زمینداری کے منع کرنے کی یقیناً مخالفت ہرگز نہیں کی ہے کہ انہوں نے مزارعت کا معاملہ کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے مشترکہ کاشت کا طریقہ اختیار کیا ہوگا۔ مگر مبہم تعبیر نے بیان کرنے والے کے بیان میں غلط فہمی پیدا کی ہے۔ کہ شاید انہوں نے مزارعت کا معاملہ کیا تھا۔ حافظ ابنِ حزمؒ مزارعت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں (یہ ہیں عطاء۔ مجاہد۔ مسروق۔ شعبی۔ طاؤس۔ حسن بصری۔ ابن سیرین قاسم بن محمد سب کے سب نقد اور جنسی دونوں پر مزارعت کو منع کرتے ہیں۔ محلی ابن حزم ص ۲۱۳ ج ۸) حضرت عطا مکہ کے اور قاسم بن محمد مدینہ کے حسن بصری ابنِ سیرین بصرہ کے شعبی اور مسروق کوفہ کے۔ طاؤس یمن کے اور مکحول دمشق کے۔ اپنے وقت میں عظام علماء اور اسلامی قانون کی تدوین و ترتیب میں کام کرنے والے کبار فقہاء اور مسلمانوں کے مرکزی شہروں میں اربابِ فتویٰ اور اکابر تابعین کی مقدس ہستیاں ہیں۔ ایسے ذمہ دار اکابر تابعین صحابہ کے علم و عمل کے آغوش میں تربیت پانے والے مزارعت کو ناجائز بتا سکتے ہیں؟ اگر صحابہ نے اسکو جائز بتایا تھا یا صحابہ نے مزارعت کا معاملہ کیا تھا اس سے بڑھکر تعجب کی بات اور کیا ہوگی کہ ایسے کبار تابعین نے اسلامی

Marfat.com

مرکزی شہروں میں ایسے زمانہ میں جبکہ اس میں صحابہؓ موجود تھے صحابہ
کی مخالفت کی جرأت کی اور اس پر مزید حیرت ہوتی ہے۔ کہ کسی کو ان کے
ٹوکنے کا خیال پیدا نہیں ہوا ہے۔ صحابہ کی بڑی شان تھی۔ تابعین ان کا ادب
کرتے تھے اور ان کی مخالفت سے بچتے تھے۔ صحابہ حضور کے علم و عمل کے
نگران اور معلم تھے تابعین انہیں سے دین کے مسائل اور احکام حاصل کرتے
تھے۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں علم وہ ہے جو حضور کے صحابہ سے ہم کو پہنچا
ہے اور جو صحابہ سے نہیں ہے وہ علم بھی نہیں ہے۔ ابن مسعود فرماتے
ہیں کہ لوگ ہمیشہ خیر پر رہینگے جبتک ان کے پاس حضور کے صحابہ کا
علم پہنچتا رہیگا۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں علم کو یا حضور سے لیا جاتا ہے۔ اور
یا حضور کے بعد آپ کے صحابہ سے لیا جاتا ہے (فتح الباری ص ۲۴۸)

تابعین پر صحابہ کا بڑا احسان ہے۔ یہ بہت بھاری بات ہے کہ
صحابہ مزارعت کے معاملہ کو جائز جانتے تھے بلکہ انہوں نے اس پر عمل
کیا تھا اور تابعین نے اس کو ناجائز کہا اور دانستہ صحابہ کی مخالفت کی۔

انشاءاللہ تعالیٰ تابعین کا دامن تقویٰ صحابہ کی مخالفت کے تلوث
سے پاک ہے۔ امام بخاریؒ کی غرض صرف اتنی ہے۔ کہ زمین کی پیداوار پر
معاملہ کیا گیا ہے۔ اور زمین کی پیداوار پر معاملہ کرنا خواہ مشترکہ کاشت کا
معاملہ ہو یا خراج مقاسمہ کا معاملہ ہو مگر بخاریؒ کا استدلال اپنے مقام پر
صحیح ہے اور اس کی غرض اس سے پوری ہوتی ہے۔ بخاریؒ نے اپنے
بیان میں ذکر کیا ہے کہ قیس بن مسلم۔ محمد باقرؒ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ
مہاجرین کے تمام گھرانے مزارعت کا معاملہ کرتے تھے۔ مہاجرین کو تو مزارعت
کی عادت نہیں تھی ان کا عموماً پیشہ تجارت اور بیوپار تھا۔ ممکن ہے مشترکہ

Marfat.com

کاشت کرتے ہونگے اور قابسیؒ نے قیس ابنِ مسلم کی اس روائیت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ قیس ابنِ مسلم کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ اور محمد باقرؒ مدینہ منورہ میں رہا کرتے تھے اور مدینہ منورہ کے کسی رہنے والے نے محمد باقرؒ سے اس بات کی روائیت نہیں کی ہے۔ قیس بن مسلم اتنے دور کے فاصلہ سے اور تنہا اس کو کیسے اور کیونکر روائیت کرتے ہیں حافظ ابن حجرؒ نے قابسیؒ کے انکار کرنے پر تعجب کا اظہار ضرور کیا ہے۔ مگر کوئی وجہ نہیں بتائی ہے کہ قابسیؒ کا انکار بیجا ہے۔ اور حافظ کا اس پر تعجب کرنا بجا ہے۔

فقہاء کا مسلک

آخر میں ایک نظر یہ بھی دیکھ لیجئے کہ فقہاء نے مزارعت کے مسئلہ پر کیا کہا ہے۔ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت نے مزارعت کا انکار کیا ہے۔ اور فقہاء کا ایک طبقہ مزارعت کے اٹھانے پر سختی کیساتھ اصرار کر رہا ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ شہرت امام ابو حنیفہؒ کو حاصل ہے۔ امام ابو یوسفؒ جو امام ابو حنیفہؒ کے مشہور و معروف شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ ہمارے اصحاب اہلِ حجاز اور اہلِ مدینہ زمینداری کو مکروہِ تحریمی اور فاسد جانتے ہیں۔ اور ہمارے اصحاب اہلِ کوفہ کو اس میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہؒ مزارعت کو برا جانتے ہیں۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مزارعت کو برا جانتے تھے۔ اور حضور نے حضرت رافع کو فرمایا کہ کسی باغ کو اس کے مالک سے کسی کرایہ کے عوض نہ لیجئے۔ اور جن حضرات فقہاء نے مزارعت کو جائز کہا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضور نے خیبر کے یہود کیساتھ

Marfat.com

نصف پیداوار پر معاملہ کیا تھا (کتاب الخراج صہ ۸۸)

خیبر کا معاملہ مفصل آپ پڑھ چکے ہیں کہ خیبر کے یہود خیبر کی زمین کے مالک تھے۔ اور حضور نے خیبر کے یہود سے جنسی صورت میں سرکاری مالگذاری کو وصول کیا ہے۔

اور بدائع صنائع میں لکھا ہے۔ کہ مشروعیت مزارعت میں فقہاء کو اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مزارعت مشروع نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کہتے ہیں کہ مزارعت مشروع ہے۔ (بدائع صنائع صہ ۱۷۵ ج ۶)

ہدایہ میں لکھا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں مزارعت باطل ہے اور صاحبین کہتے ہیں کہ وہ جائز ہے۔ صاحبین کہتے ہیں۔ کہ حضور نے خیبر میں یہود کے ساتھ نصف پیداوار پر معاملہ کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ حضور نے مزارعت سے منع فرمایا ہے۔ اور خیبر کا معاملہ سرکاری مالگذاری کا معاملہ ہے (ہدایہ آخرین) دُرمختار اور اس کی شرح ردالمحتار میں لکھا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کا معاملہ صحیح نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک ہی صورت ہے۔ جس سے مزارعت جائز ہو سکتی ہے۔ اور وہ یہ کہ تخم۔ آلات اور تمام ذرائع میں مالک اور کاشتکار دونوں شریک ہوں اور یہ ایک حیلہ ہے۔ کہ اس سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مزارعت کا خُبث دور ہو جاتا ہے۔ (ردالمحتار صہ ۲۳۹ ج ۵)

امام شافعیؒ کے نزدیک مزارعت کی تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ خواہ بیج اور عمل کاشتکار کا ہو اور خواہ بیج اور زمین مالک دے۔ فرماتے ہیں

کہ یہ سودا ہے۔ مگر دھوکہ ہے۔ کاشتکار عمل کرتا ہے۔ مگر نہیں جانتا ہے۔ کہ اس کے حصہ میں کتنا غلہ آئیگا۔ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ زمین کا مالک اگر تخم دیتا ہے تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں اگر مالک کی طرف سے زمین ہے اور دوسرے کی طرف سے تخم و آلات وغیرہ ہیں تو یہ مزارعت ناجائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک ایک صورت سے مزارعت جائز ہو سکتی ہے۔ کہ فریقین کی ہر ایک چیز کی قیمت روپیہ یا مال سے مشخص کی جائے لیکن وہ غلہ نہ ہو۔ مثلاً زمین کے استعمال کی قیمت کہ اتنی مدت میں اس کے استعمال کی قیمت اتنا روپیہ ہے یا اتنا دوسرا مال ہے۔ اور اتنی مدت میں زراعت کے آلات کے استعمال کی قیمت لگائی جائیگی اور جو فریق جس جس چیز کے ساتھ شریک ہوگا وہ اس کا سرمایہ ہے اور اس سرمایہ کے ساتھ مشترک کاروبار میں وہ حصہ دار ہے۔ اور اپنے اپنے سرمایہ کی نسبت سے فریقین کے درمیان منافع یعنی پیداوار کی تقسیم کی جائیگی۔ امام محمدؒ اور امام ابو یوسفؒ کے سوا فقہاء اربعہ کے نزدیک ہماری زمینداری کا رائج طریقہ ناجائز ہے۔ اور سب کا منشاء قریب قریب وہی ہے۔ کہ عمل و مئونت کے بغیر زمین کے استفادہ کرنے سے کتاب اور سنّت نے منع فرمایا ہے۔ اور مشترک کاشت میں چونکہ فریقین یا تو حقیقتاً عمل اور مئونت کو برداشت کرتے ہیں اور یا حکماً اس میں دونوں شریک ہیں اور ہر ایک فریق کو اس کے زیادہ عمل و مئونت کا زیادہ معاوضہ دیا جا رہا ہے۔ جیسے کہ نہری اور چاہی زمین کی آبپاشی میں ایک قسم کی مئونت سمجھی گئی ہے۔ اور دونوں قسم کی زمین میں نصف عشر وظیفہ رکھا گیا ہے حالانکہ نہری زمین میں مالی مئونتہ ہے کہ سرکار کو آبیانہ کی قیمت ادا

Marfat.com

کرنی پڑتی ہے۔ اور چاہی زمین میں عملی مئونۃ ہے۔ مگر مالی مئونۃ کو عملی مئونت کے برابر اور اس کا قائمقام سمجھا گیا ہے۔ فقہائے امت کے مسلک اور حضرت رافع کی حدیث کے معلوم ہو جانے کے بعد جس میں مزارعت کی ممانعت کی گئی ہے اور مزارعت کا مروجہ طریقہ ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ قدرتی طور سے اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ کیا ہمارے ملک کے یہ تمام زمیندار دینی گناہ اور معصیت میں مبتلا ہیں؟ اور ان کی زمینداری پیداوار ناجائز اور حرام ہے؟ تو اس جواب کے سمجھانے کیلئے میں دنیائے علم کے چمن آرا اور دارالعلوم دیوبند کے آفتاب فضیلت حضرت سید محمد انور شاہ صاحب کے احالی فیض الباری سے استفادہ کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ قضا اور دیانت یعنی قانونی ضابطہ اور آپس کی رضامندی دونوں الگ الگ شعبہ ہیں۔ قضاء کا حکم یعنی قانون اور ضابطہ کا حکم اور ہے۔ اور دیانت یعنی آپس کے اتفاق اور رضامندی کا فیصلہ دوسرا ہے۔ قضاء اور دیانت کی اصطلاح فقہاء کے یہاں عام مستعمل ہے اور مختلف معاملات کے متعلق فقہاء نے کہا ہے کہ وہ قضاء میں یعنی قانون اور ضابطہ میں درست نہیں ہیں۔ مگر دیانت میں یعنی آپس کے اتفاق اور باہمی رضامندی میں جائز ہیں اور فقہاء کا مقصد ایسا کہنے میں یہ ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ اسلامی قانون میں ان کے جواز کی گنجائش نہیں ہوتی ہے۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ وہ باہمی اتفاق اور رضامندی میں ناجائز اور حرام ہیں۔ اور آپس کی رضامندی میں طے کرنے والوں کو دین میں عاصی اور مجرم ٹھہرایا جائے۔ جیسا کہ فاسد اجارہ اور فاسد مضاربت قانون اور ضابطہ میں دونوں فاسد ہیں۔ مگر دونوں میں اجرت حلال ہے گناہ

Marfat.com

نہیں ہے۔ جیوان کے بدلہ میں جیوان کو قرض لینا قانون میں ناجائز ہے حضور نے اس سے منع فرمایا ہے۔ مگر جیوان کے بدلہ میں اگر مدیون نے جیوان کو ادا کر دیا ہے اور لینے والا اس پر خاموش رہا اور رضامند ہے تو وہ دین میں گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ بخاریؒ نے کتاب الوکالت میں لکھا ہے۔ کہ حضور نے اونٹ کے بدلہ میں دائن کو اونٹ ادا کر دیا ہے۔ اور اگر دائن اور مدیون میں اس جیوان کے بارے میں جھگڑا ہوتا جو قرض خواہ کو ادا کیا جاتا ہے تو قانون اور ضابطہ میں ایسا استقراض لغو کر دیا جاتا اور دائن کو بجائے جیوان دینے کے اس کے قرض دیئے ہوئے جیوان کی قیمت ادا کر دی جاتی۔ جیسا کہ ذوات القیم میں قاعدہ ہے یا اگر بیٹے کے ہوتے میت کی میراث میں اگر پوتے نے جھگڑا ڈالا ہے تو اس کے دادا کی میراث میں اس کے چچا کی موجودگی میں قانون اور ضابطہ میں اس کو کچھ نہیں دیا جائیگا لیکن باہمی اتفاق اور رضامندی میں اگر اس کا چچا اسکو کچھ دیدیتا ہے تو دین میں وہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ ایسی بہت مثالیں ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ باطل اور معصیت میں تلازم نہیں ہے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک معاملہ شرعی ضابطہ میں باطل ہے مگر دین میں وہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ اور جس نے باطل اور معصیت میں تلازم کا گمان کیا ہے وہ حق سے دور رہا ہے حقیقت یہ ہے کہ معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) ایک قسم وہ معاملات ہیں کہ وہ فی نفسہ گناہ ہیں قانونی فیصلہ ہو یا آپس کی رضامندی ہو بہر حال وہ معصیت ہیں مثلاً جیسا سود۔

(۲) اور دوسری قسم وہ معاملات ہیں کہ وہ کسی عارض کی وجہ سے منع ہیں مگر فی نفسہ معصیت نہیں ہیں۔ اگر ایسے معاملات میں جھگڑا پڑ جائے اور

Marfat.com

قانونی فیصلہ لینے کی ضرورت پڑگئی تو ایسے معاملات لغو کر دیئے جائینگے
اس لئے کہ وہ پہلے منع کر دیئے گئے تھے۔ قانون میں ناجائز قرار دیئے
جائینگے اور اگر عدالت سے قانونی فیصلہ لینے کی ضرورت نہیں پڑی
ہے تو فریقین باہمی رضامندی سے جیسا چاہیں کریں۔ ان کی باہمی رضامندی
میں خواہ مخواہ قانون دخل نہیں دیگا۔ اور وہ گناہ اور معصیت نہیں
کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح مزارعت کا معاملہ ہے۔ قانون اور ضابطہ
میں وہ ناجائز ہے۔ اگر مالک اور مزارع میں اس کے بارے میں جھگڑا
پڑگیا ہے۔ اور عدالت میں معاملہ پیش ہوا ہے۔ تو عدالت کے قانون میں
اگرچہ مزارع کی طرف سے مالک کے پاس وثیقہ ہے۔ مگر مزارع اپنے
معاہدہ کا پابند نہیں سمجھا جائیگا اور وثیقہ کی رُو سے مالک کیلئے مزارع
پر کوئی حق عدالت نہیں، قائم کریگی اور مالک کا دعوٰی خارج کر دیا جائیگا
اسلئے کہ قانون نے مزارعت کو منع کر دیا تھا۔ قانون میں زمیندار کے
لئے زمیندارانہ حقوق جو اس نے رسم ورواج میں قائم کر دیئے ہیں جائز
اور مشروع نہیں ہیں۔ قانون ان کے زمیندارانہ حق کو تسلیم نہیں کرتا۔
مگر اسلام کے قانونی نظام سے الگ ہو کر اگر مزارع زمین کے مالک کو
باہمی رضامندی سے کچھ دے دیتا ہے تو جائز ہے حرام نہیں ہے۔
اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایسا معاملہ ہے کہ عدالت کے سامنے پیش
نہیں ہوا اور ناجائز قرار دینے والے قانونی اختیارات کے قابو سے
باہر ہے۔ اور قانون کے علاوہ کوئی ایسی دوسری طاقت نہیں ہے کہ
اس کو ناجائز قرار دے دے۔ جیسے مجاہدؒ کے بیان میں جن حضرات
کا ذکر ہوا ہے۔ کہ انہوں نے مشترک کاشت کا معاملہ کیا تھا۔ ایک کی

طرف سے زمین دی گئی تھی اور کسی نے تخم دیا تھا اور کسی نے ہل بیل کا انتظام کیا تھا اور ایک صاحب نے محنت اور عمل کیا۔ مگر جب یہ معاملہ حضور کے سامنے پیش ہوا تو حضور نے تخم دینے والے کو پیداوار دیدی اور محنت اور کام کرنے والے کو یومیہ کے حساب سے مزدوری دی گئی اور ہل بیل والے کو مروجہ اجرت کا فیصلہ دیا اور زمین کے مالک کو حضور نے خالی ہاتھ واپس کر دیا۔ (مبسوط ج ۲۳ ص ۱۶)

اگرچہ امام ابو حنیفہؒ کے انتظامی نظریہ میں مزارعت ناجائز ہے۔ مگر مزارعت کی پیداوار باہمی رضامندی میں جائز ہے۔ (فیض الباری ص ۲۸۹ تا ص ۲۹۵)

جن حضرات نے حضرت شاہ صاحب کے علم و فقاہت کا معیّر العقول نظارہ دیکھا ہے۔ ان کیلئے حضرت شاہ صاحب کے اس اصولی بات میں کچھ تعجب نہیں ہوگا۔ مگر شاید بعض حضرات کیلئے یہ بات کچھ عجیب سی ہو لیکن خود عہد صحابہ میں اس قسم کے اصول کا سراغ ملتا ہے۔ کہ ہر حکم کو دینی قانون میں شریک کر کے خلاف ورزی کرنے والے کو گنہگار قرار دے دینا صحابہ کا نقطۂ نظر نہیں تھا۔ جیسا کہ حضرت زید رضؓ کو جب اطلاع ہوتی ہے۔ کہ حضرت رافع فرماتے ہیں کہ حضور نے زمین کو کرایہ پر دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔ تو حضرت زید نے فرمایا کہ انصار کے دو آدمیوں میں جھگڑا ہوا اور دونوں حضور کے پاس آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جب تمہارا یہ حال ہے۔ تو کھیتوں کو کرایہ پر نہ دیا کرو (ابو داؤد ج ۲ ص ۱۲۵)

چونکہ جھگڑا ہوا اسلئے حضور نے ممانعت فرمائی۔ ورنہ وہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ اسی طرح ابن عباس نے فرمایا کہ حضور نے مزارعت کی ممانعت نہیں کی ہے۔ مگر یہ بہتر ہے۔ کہ اپنے بھائی کو بلا معاوضہ اپنی

Marfat.com

اپنی زمین کاشت کیلئے دیدو۔ (بخاری ص ۳۱۵ ج ۱)
حضور نے لاتفعلوا فرماکر مزارعت کی ممانعت فرمائی تھی۔ اور حکم دیا تھا۔ کہ بلامعاوضہ اپنی زمین دوسروں کو کاشت کیلئے دیا کرو۔ مگر ابن عباس کی غرض یہ ہے۔ کہ حضور کے اس نہی اور اس حکم کی خلاف ورزی گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ اگرچہ قانون اور ضابطہ میں حضور کی نہی نہی کے مقام پر اور حضور کا حکم حکم کے مقام پر قائم ہے۔

دیانت اور قضاء میں فرق

حضرت شاہ صاحب نے قضاء اور دیانت کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے دیانت اور قضاء کے فرق کو اس طرح واضح کیا ہے کہ فی مابینہ وبین اللہ دیانت ہے۔ اور فی ما بینہ وبین الناس قضاء ہے اگر کوئی معاملہ کسی حاکم کے سامنے پیش ہوا ہے تو وہ قضاء ہے۔ اور اس میں قضاء اور حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ اور اگر قاضی یا حاکم کے حضور وہ پیش نہیں ہوا ہے تو وہ دیانت اور مفتی کا وظیفہ ہے اور اس میں قضاء کا فیصلہ نہیں دیا جائیگا بلکہ اس میں مفتی کا فتوی مسئلہ ہے کہ قاضی اور حاکم وہ ہوتا ہے جسکو امیر حکومت نے احکام کی تنفیذ اور اور اجراء پر مامور کیا ہے۔ اور مفتی وہ ہوتا ہے۔ کہ لوگ اس سے مسائل دریافت کرتے ہیں لیکن لوگوں کے تنازعات میں وہ قضاء اور حاکمانہ فیصلہ دینے کا حق نہیں رکھتا ہے۔ احکام کا اجراء اور تنازعات کا فیصلہ کرنا مفتی کا منصب اور وظیفہ نہیں ہے۔ مفتی کے مسائل اور ہیں اور قضاء کے احکام دوسرے ہیں۔ مفتی۔ قاضی یا حاکم کے احکام پر فتوی

Marfat.com

نہیں دیسکتا ہے اور قاضی یا حاکم مفتی اور دیانات کے مسائل پر حکم یا فیصلہ نہیں کرینگے۔ اور فقہاء نے صراحت کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ قضاء کے حکموں پر مفتی کو فتوٰی دینا اور دیانات اور فتوٰی کے مسئلوں پر قاضی کو فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ قاضی یا حاکم کے فیصلوں میں اور مفتی کے مسئلوں میں کبھی تناقض ہوتا ہے۔ ان میں کبھی حلال اور حرام کا فرق ہوتا ہے۔ مگر قاضی یا حاکم کے فیصلے اور حکم کے بعد فتوٰی باقی نہیں رہتا ہے۔ اور مفتی کا فتوٰی یا دیانت کا مسئلہ ختم ہو جاتا ہے۔ دلائل اور مثالیں اگر دیکھنے ہیں تو فیض الباری ج۳ ص۱۰۶ کا مطالعہ کیجئے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس بحث سے یہ حقیقت کھل گئی ہے۔ کہ حنفیوں نے اگر امام محمد اور امام ابو یوسف کے مسلک پر فتوٰی دیا ہے یعنی یہ کہا ہے کہ مزارعت جائز ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مالک اور مزارع کے تنازعہ اور قاضی اور حاکم کی مراجعت کئے بغیر مفتی کے فتوٰی میں بٹائی کا طریقہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ لیکن اگر قاضی یا حاکم کے سامنے بٹائی کا معاملہ پیش کیا گیا ہے۔ تو قاضی کا حکم یا فیصلہ مفتی کے فتوٰی کے تحت نہیں ہے اور حاکم یا قاضی کے حاکمانہ فیصلہ میں بٹائی کا طریقہ ناجائز اور بیہودہ قرار دیا جائیگا اور قاضی یا حاکم کیلئے ہرگز یہ جائز نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے فیصلہ میں فتوٰی اور دیانت کا یہ مسئلہ کہ بٹائی جائز ہے قائم اور جائز رکھے۔ قاضی یا حاکم کے اس حاکمانہ حکم اور فیصلہ کو کہ بٹائی کا طریقہ حرام اور منع ہے۔ کسی مفتی کا فتوٰی یا عالم کا مسئلہ جواز میں تبدیل نہیں کر سکتا ہے۔ بلکہ شرعی حکم وہی ہے جسکو قاضی یا حاکم اپنے فیصلہ میں نافذ کرتا ہے۔ اور اس کے خلاف

کسی مفتی کا فتویٰ یا کسی عالم کا بتایا ہوا مسئلہ کسی کے سننے اور عمل کرنیکے قابل نہیں ہے۔ قاضی شوکانی وغیرہ کی تحریروں سے بعض حضرات کو یہ خیال ہو رہا ہے۔ کہ مسئلہ میں حنفی علماء نے مزارعت کے جواز پر فتوای دیا ہے۔ اسلئے حنفیوں کے یہاں مزارعت جائز ہے۔ مگر یہ غلط فہمی ہے۔ کہ قضاء اور دیانت کے مسائل اور احکام میں فرق پر ان حضرات کو تنبیہ نہیں ہوتی۔ حنفیوں کے اس فتوے سے یہ حقیقت نہیں بدل سکتی ہے۔ کہ بٹائی کا طریقہ کتاب اور سنّت کے منشاء کے خلاف تھا اور حنفیوں کے فتویٰ کی حقیقت صرف اتنی ہے۔ کہ بٹائی کا طریقہ دیانت اور فتویٰ میں اگرچہ گناہ اور معصیت نہیں ہے۔ مگر قانونی ضابطہ میں اور قاضی یا حاکم کے فیصلہ میں بٹائی کا طریقہ ناجائز اور منع ہے۔ ۱۲

آخر میں اتنی گذارش ضروری ہے۔ کہ میں نے اپنی توفیق کے مطابق مزارعت کے متعلق کتاب اور سنّت کے نقطہ نگاہ کو عرض کیا ہے اور اپنی طرف سے یہ کوشش کی ہے۔ کہ وہ سنّت اور آثار میں جس طرح بیان ہوا تھا اس کو بلا کم و کاست یہاں نقل کر دیا ہے۔ اگر کسی صاحب کو اس میں کہیں فرق نظر آیا ہے تو وہ میری کوشش کی کوتاہی اور میری سمجھ کی غلطی ہے۔ اس کی عفو چاہتا ہوں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ۱۲

امین الحق عفی عنہ۔ طورو ضلع مردان خطیب جامع ضلع قلعہ شیخوپورہ

(۲۲ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ)

Marfat.com

۷۸۶

DATA ENTERED

زمینداری کا شرعی نظام

از

مولٰنا سیّد امین الحق ـ فاضلِ دیوبند

خطیب جامع شیخوپورہ

ماہِ جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ مطابق ماہِ فروری ۱۹۵۴ء

(کتبہٗ محمد عطاء اللہ جوہر کانی)

بار اول

تعداد ۵۰۰

Marfat.com